کہانی کے مجرم

اشتیاق احمد

پارٹنر لائبریری
مال روڈ کوئٹہ

محمود، فاروق، فرزانہ

اور ـــ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۵

ناول نمبر ۵۴۴

کہانی کے مجرم

اشتیاق احمد

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول ــــــــ کہانی کے مجرم

طابع ــــــــ اشتیاق احمد

کتابت ــــــــ سعید نامدار

سرورق ــــــــ طاہر ایس ملک

قانونی مشیر ــــــــ شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ــــــــ عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ــــــــ دس روپے

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع کیا خذف سے (یعنی چھوٹی کنکریاں مارنے سے) اور فرمایا، اس سے نہ شکار مرتا ہے، نہ دشمن زیر ہوتا ہے، البتّہ آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔

سُنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

صفحہ نمبر ۱۴، حدیث نمبر ۱۱۰

(جیسے اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھیل کے طور پر انگلیوں سے یا غلیل وغیرہ سے کنکریاں مارا کرتے ہیں، اس سے منع کیا، کیونکہ یہ بے فائدہ وقت ضائع کرنا ہے اور اس میں ضرر کا احتمال ہے کہ کسی کی آنکھ یا دانت میں لگ جائے اور آنکھ پھوٹ جائے یا دانت ٹوٹ جائے)

دو باتیں

السلام علیکم!

دو باتیں میں آپ اس بار روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والا محترم عطاء الحق قاسمی کا کالم "روزنِ دیوار سے" پڑھ لیں:

"بیس گھنٹے کے فضائی سفر کے بعد آج بلکہ چند گھنٹے پہلے واپس پاکستان پہنچا ہوں۔ میں نے گزشتہ تین ہفتے برطانیہ اور ناروے کے مختلف شہروں میں گزارے ہیں اور اپنا پروگرام مختصر کر کے وطن لوٹا ہوں۔ ان تین ہفتوں کے دوران دیارِ غیر میں بھانت بھانت کی خبریں اور تبصرے پڑھنے اور سُننے کو ملے، مگر یہ سب ادھورے تھے؛ چنانچہ وطنِ عزیز کی موجودہ صورتحال سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوں۔ وطن سے دُور وطن کے بارے میں جو خبریں ملتی رہیں، وُہ سب کی سب افسوسناک تھیں۔ ایک خبر یہ ملی کہ

نواز شریف نے بحران کے حل کے لیے وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ایوانِ صدر کے پیدا کردہ اس بحران سے ان عوام کا کوئی تعلق نہیں تھا جنھوں نے اپنے ووٹوں سے نواز شریف کو منتخب کیا تھا؛ چنانچہ یورپ میں مقیم پاکستانی جو ایک بہتر جمہوری نظام میں رہ رہے ہیں، اس خبر پر بہت حیران ہوئے، حتیٰ کہ پیپلز پارٹی کے حامیوں نے بھی اس جمہوری المیے پر دُکھ کا اظہار کیا۔

پھر ایک خبر یہ ملی کہ جناب معین قریشی کو نگران وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا ہے اور ان کے جو کوائف اخبار میں شائع ہوئے، ان کے مطابق وُہ امریکی شہری ہیں اور گزشتہ پینتیس برس سے امریکہ میں رہ رہے ہیں؛ ان کی اہلیہ جرمن ہیں اور ایک بیٹی کسی غیر مُسلم سے بیاہی ہوئی ہے۔ خبر کے حوالے سے یہ بھی پتا چلا کہ جناب معین قریشی ورلڈ بینک کے ساتھ منسلک رہے ہیں اور جن عہدوں پر رہے ہیں، ان پر اپائنٹمنٹ سے قبل امریکی حکومت کی منظوری حاصل کرنا پڑتی ہے؛ چنانچہ ان عہدوں پر کام کرنے والوں کو دُنیا بھر میں واشنگٹن کا آدمی سمجھا جاتا ہے۔

خبر میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ان کا نام تجویز کرنے
والوں میں مشہور قادیانی ایم ایم احمد کا نام سرِفہرست تھا۔
اس خبر نے پاکستانیوں کے دلوں کو چھلنی کر دیا اور یہ
بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ نواز شریف کی
حکومت امریکہ کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی
تھی۔ "نیو ورلڈ آرڈر" میں ایک خوشحال اور مستحکم پاکستان
کی کوئی گنجائش نہیں تھی؛ چنانچہ اس نے اپنے مہروں
کے ذریعے ملک میں مصنوعی بحران پیدا کر کے اس
وزیرِ اعظم کی چھٹی کر دی، جو تین برسوں سے امریکی امداد
کی معطلی کے باوجود ملک کو معاشی استحکام کی طرف
لے جا رہا تھا۔ میں نے غلام اسحٰق خان کی صدارت
کے ابتدائی دنوں میں ایک کالم "سی آئی اے کا ایجنٹ"
کے عنوان سے لکھا تھا، جس میں میں ایک امریکی سفیر سے
کہتا ہوں کہ وہ مجھے پاکستان میں سی آئی اے کا ایجنٹ
مقرر کر دے۔ جس پر وہ کہتا ہے: میرے دوست!
جو کام تم نے مجھے آسان سمجھ کر کہا ہے، وہ بہت مشکل
ہے، کیونکہ سی آئی اے کا ایجنٹ ہمیشہ اس ملک کا
سربراہ ہوتا ہے۔ اس دفعہ امریکہ نے اپنی پالیسی کے
ضمن میں زیادہ تکلف اور لیپا پوتی سے بھی کام نہیں

لیا؛ چنانچہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے نواز شریف کی
چھٹی کرانے کے بعد ڈمی پاکستانی کی بجائے کھلم کھلا
ایک امریکی شہری کو پاکستان کا وزیرِ اعظم بنا دیا۔ مجھے
حیرت ہے اور شدید دکھ ہے کہ بے نظیر، نواز شریف،
فوج اور تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اس نام پر
اتفاق کیا۔

کیا پندرہ کروڑ کی آبادی میں ایک پاکستانی بھی ایسا
نہیں تھا، جسے نگران وزیرِ اعظم بنایا جا سکتا۔ اگر
منظور الٰہی شیخ اور حکیم محمد سعید جیسے دیانتدار لوگ صوبائی
ذمے داریوں کے لیے تلاش کیے جا سکتے تھے تو سب سے
بڑی مرکزی ذمے داری کے لیے ہمارے درمیان ایک
شخص بھی ایسا نہیں تھا، جس کی دیانت، امانت اور
لیاقت پر یقین کیا جا سکتا؛ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر
مجھے بتائیے کہ اس سانحے کے بعد بحیثیت قوم ہمارے زندہ
رہنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟

دیارِ غیر میں یہ خبریں بھی ملتی رہیں کہ غلام اسحٰق
خان صدارت کی ذمے داریوں سے فارغ بھی کر دیے
گئے ہیں اور چھٹی پر بھی ہیں اور ایوانِ صدر میں
بدستور مقیم بھی ہیں۔ وطن کے حوالے سے یہ بے یقینی

رہنے والے پاکستانیوں کو یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ بابا کمبل پوش کے اتنے ناز نخرے کیوں برداشت کیے جا رہے ہیں؟ پھر یہ خبریں پڑھنے کو ملیں کہ موصوف "صدارتی محل" خالی کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں۔ صدرِ پاکستان جناب وسیم سجاد ایک شریف النفس اور وضعدار شخصیت کے مالک ہیں، موجودہ انتظامات کے مطابق انہیں صرف تین مہینے ایوانِ صدر میں رہنا ہے اور یہی ان کی "کل کمائی" ہے، اگر بابا کمبل پوش ان تین مہینوں میں سے چار مہینے ایوانِ صدر میں براجمان رہے تو جناب وسیم سجاد کو آخر کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا؟

مجھے چونکہ وطن لوٹے ابھی صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں، اس لیے کسی بھی معاملے میں میری معلومات اپ ٹو ڈیٹ نہیں ہیں، چنانچہ مجھے علم نہیں کہ میاں نواز شریف کے استعفے، جناب معین قریشی کی بطور وزیرِ اعظم تقرری اور بابا کمبل پوش کی زیرِ زمین سرگرمیوں کے بارے میں عوام کے جذبات کتنے شدید ہیں، کالم نگاروں نے ان موضوعات پر کیا خامہ فرسائی کی ہے اور رپورٹر حضرات کی خبروں کی نوعیت کیا ہے، لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ موجودہ بحران کے دوران ہمارے

عوام اور ہمارے پریس نے بحیثیت مجموعی اپنے باشعور ہونے کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے اگر بابا کمبل پوش کے چہرے سے کمبل سرکا کر اس کا اصل چہرہ دیکھ لیا ہے، تو مجھے یقین ہے کہ اس دوران دنیا بھر کے کمبل پوشوں کے مربی "انکل سام" اور "نیو ورلڈ آرڈر" کے داعی امریکہ کے مکروہ خدوخال بھی ان پر پوری طرح واضح ہو چکے ہوں گے!

عطا

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

یہ کیا

"م م — مجھے — یہاں — گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی، لیکن دبی آواز میں کہا۔

"لیکن مجھے یہاں گھبراہٹ نام کی کسی چیز کا دور دور تک احساس نہیں ہو رہا۔" محمود مسکرایا۔

"ارے تو تم اس کو پاس پاس تلاش کر لو نا۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"تم دونوں کو مذاق کی سوجھ رہی ہے — حیرت ہے۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں واقعی بات حیرت کی ہی ہے — مذاق کی تو تمہیں سوجھا کرتی ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جب کہ آج مارے سنجیدگی کے فاروق بے چارے کا برا حال ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"بات کو سمجھنے کی کوشش کرو — میری ساتویں حس بار بار

مجھے الٹی میٹم دے رہی ہے ۔ یہاں سے نکل چلو ۔ نکل چلو۔
یہاں ..." فاروق نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"یہاں کیا؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"یہاں کیس شروع ہونے والا ہے۔" اس نے یک دم کہا۔

"ارے میاں جاؤ ۔ تمھاری آنکھیں بج رہی ہیں۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"حد ہو گئی ۔ کان بجتے بجتے اب اس کی آنکھیں بجنے لگیں ۔ بُری بات ہے فارُوق۔" محمود نے گویا نصیحت کی۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" فارُوق نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"آخر پتا بھی تو چلے ۔ تمھیں کس چیز سے کیس کا سرا نکلتا نظر آ رہا ہے ۔ ارے بھئی ۔ انکل جاودانی کا بیٹا پورے بیس سال بعد وطن واپس آ رہا ہے۔ وُہ بھی اس حالت میں کہ اس دوران وُہ ایک بار بھی اپنے بیٹے سے نہیں مل سکے ۔ گویا وُہ جب سے گیا۔ ایک بار بھی ملنے کے لیے نہیں آ سکا اور نہ کرنل صاحب خود اس سے ملنے کے لیے جا سکے۔"

"لیکن کیوں؟ سوال تو یہ ہے۔" فارُوق نے جھلا کر کہا۔

"اوہ ۔ تو تم اس بات کو بُنیاد بنا کر سوچ رہے ہو

کہ کیس شروع ہونے والا ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے ۔ تم خود سوچو ۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے ۔ کہ بیس سال سے نہ بیٹا گھر آیا، نہ گھر والے اس سے ملنے گئے ۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے تو کیوں؟" فاروق بولا۔

"تو آؤ، پوچھ لیتے ہیں ۔ ابھی تک ان سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔" محمود نے کہا۔

"بات ٹھیک ہے ۔ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"ٹھیک ہے ۔ آؤ چلیں۔"

تینوں اُٹھے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید نے چونک کر ان سے پوچھا:

"کہاں چل دیے؟"

"انکل جاودانی سے ایک بات پوچھنے۔"

"لیکن صرف ایک کیوں ۔ تم ان سے کئی باتیں پوچھ سکتے ہو ۔ وُہ بُرا نہیں مانیں گے۔" خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"اور کیا ۔ آخر وہ ہم تینوں کے لنگوٹیے ہیں۔"

"لیکن انکل ۔ ہمارے ذہنوں میں جو سوال چبھ رہا ہے، ہمیں تو بس ان سے وُہ پوچھنا ہے۔"

"اور وُہ کیا ہے؟"

"کرنل انکل کا بیٹا بیس سال تک ملک سے باہر تعلیم
حاصل کرتا رہا۔ اس دوران ایک بار بھی نہ وہ ملنے کے
لیے آیا، نہ یہ لوگ ملنے کے لیے گئے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟"
"بہت آسانی سے ایسا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ یہ بات تو
تمہیں ہم بھی بتا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید ہنس کر بولے۔
"آپ بتا سکتے ہیں۔ بھئی واہ۔ یہ تو اور اچھی بات
ہے۔" تینوں پھر بیٹھ گئے۔
"بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو ہمارے دوست کرنل
جادوانی ہیں نا۔ بہت کمزور عقیدے کے مالک ہیں۔
نجومیوں کی باتوں پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں، انھوں
نے اپنی ساری زندگی نجومیوں کے سہارے گزاری ہے۔
جو نجومیوں نے کہا۔ صرف وہ کیا۔ خاور ابھی چھوٹا تھا کہ
ان کے خاندانی نجومی..."
"جی۔ کیا فرمایا۔ خاندانی نجومی؟" وہ حیران ہو کر بولے۔
"ہاں! جس طرح فیملی ڈاکٹر نہیں ہوتے، اسی طرح
فیملی نجومی ہیں ان کے۔ اس نے بتایا کہ بیٹے کو فوراً
ملک سے باہر بھیج دیں۔ بیس سال تک اس کی شکل
نہ دیکھیں، ورنہ بیس سال کی عمر کو پہنچتے ہی وہ حادثے
کا شکار ہو جائے گا اور اس حادثے میں اس کی

جان چلی جائے گی۔ لہٰذا اسے فوراً باہر بھیج دیا گیا۔"
"اکیلے بچے کو؟"
"نہیں۔ انھوں نے اپنے منیجر کو ان کی فیملی کے ساتھ
وہاں بھیج دیا۔ تاکہ وہ اور ان کا گھرانا اس کی پوری
طرح دیکھ بھال کر سکے۔"
"گویا وہ منیجر بے چارہ بھی بیس سال تک ملک سے
باہر رہا ہے۔"
"نہیں۔ وہ لوگ تو آتے جاتے رہے ہیں۔ آخر
کرنل صاحب کو حساب کتاب بھی بتانا ہوتا تھا۔ اور بھی
کئی کام ہوتے تھے۔ بس اس دوران نہیں آیا تو ان کا
بیٹا۔ اور نہ یہ ملنے گئے۔" انھوں نے کہا۔
"حیرت ہے۔ افسوس ہے۔ آپ نے انھیں سمجھانے
کی کوشش نہیں کی۔ کہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ ہوتا
صرف وہ ہے۔ جو اللہ چاہتا ہے۔"
"ہم نے بہت کوششیں کی تھیں، لیکن یہ حضرت ٹس
سے مس نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا ہے۔ ان کے نجومی
جو بتاتے ہیں۔ وہی ہوتا ہے۔"
"تو کیا وہ فیملی نجومی اس وقت بھی یہیں ہیں؟"
"وہ ان کے بیٹے اور منیجر صاحب کی فیملی کو لینے

ایرپورٹ گئے ہیں۔ کرنل صاحب کو ان کی یہ ہدایت
بھی تھی کہ یہ ایرپورٹ پر اپنے بیٹے کو لینے کے لیے بھی
نہیں جائیں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"تب پھر فاروق کا خوف سچا ہے۔"

"سچا خوف۔ ایں۔ کیا خوف بھی آج کل جھوٹے او
سچے ہونے لگے ہیں؟" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل انکل۔" فاروق بولا۔

"لیکن یار۔ میرا نام بالکل انکل نہیں ہے۔" انھوں نے
گھبرا کر کہا اور وہ ہنسنے لگے۔

"لیکن فاروق کا خوف کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"یہ کہ۔ یہاں ایک عدد خوف شروع ہونے والا ہے۔"
فرزانہ نے بے خیالی میں کہا۔

"کیا کہا۔ خوف شروع ہونے والا ہے؟" خان رحمان
نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

"اوہ نہیں انکل۔ کیس شروع ہونے والا ہے۔
یہ پتا نہیں، کہاں کھوئی ہوئی ہے۔" محمود نے برا سا
بنا کر کہا۔

"اگر ایسا ہے بھی تو کیس سے کیا ڈرنا۔ کیسوں ک

اور ہمارا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور کیا۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم یہاں سے چلے جائیں
تو اس سے بھی کیا ہوتا ہے۔ کوئی چکر چلنے کی صورت
میں بھی تو کرنل صاحب ہمیں ہی بلائیں گے۔"

"بھئی کھاؤ پیو۔ عیش کرو۔ اس قسم کی پریشان کن
باتیں نہ کرو۔ جاؤ۔ کوئی کیس ویس شروع نہیں ہو
رہا۔ اور ہو بھی گیا تو کرنل صاحب اپنے نجومی کے ذریعے
حل کروا لیں گے۔" پروفیسر داؤد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن ان حضرت کی سواری آخر کب آئے گی؟"

"اوہو۔ ان کے یہاں پہنچنے کا وقت تو ہو گیا ہے۔
جہاز لیٹ نہیں ہے۔ یہ پہلے ہی پتا کیا جا چکا ہے۔"

عین اس وقت ایک فائر ہوا۔

"یہ کیا۔ یہاں تو فائرنگ شروع ہو گئی۔ یعنی غیر
قانونی کام۔ ہوائی فائرنگ۔"

"کم از کم کرنل تو ایسا نہیں کر سکتے۔ ضرور کسی اور
نے ایسا کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ
کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اچانک اوپر تلے فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"یہ پاگل پن ہے۔ گولی کسی کو لگ بھی سکتی ہے۔"

عین اس وقت ایک ادھیڑ عمر آدمی بدحواسی کے عالم میں دوڑتے ہوئے وہاں آئے اور بولے:

"کرنل صاحب۔ آپ کے بیٹے کو اغوا کر لیا گیا۔ ان کی کار کوٹھی سے صرف دو سو میٹر دور رہ گئی تھی کہ فائرنگ کر کے کار کے ٹائر بے کار کر دیے گئے اور ایک دوسری کار میں انھیں گھسیٹ لیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسری کار ہوا ہو گئی۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ بلند آواز میں چلاتے اور باہر کی طرف دوڑے۔

ان سب نے بھی دوڑ لگا دی۔ دو سو میٹر دور ایک کار بے کار کھڑی نظر آئی۔

"اغوا کرنے والے کس طرف گئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید چلا کر بولے۔

"اس طرف۔ اس طرف۔" سب لوگوں نے ایک سمت میں اشارہ کیا۔

اور انھوں نے گاڑی اس سمت میں دوڑا دی۔ وہ آج خان رحمان کی بڑی گاڑی میں آئے تھے۔ تین گاڑیاں ساتھ لانے سے یہ کہیں بہتر تھا کہ ایک

گاڑی لائی جائے۔ گاڑی انھیں کوٹھی سے باہر ہی پارک کرنا پڑی تھی۔ اسی لیے اس وقت فوری طور پر وہ گاڑی میں روانہ ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب ان کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی، لیکن ایک گھنٹے کی تیز رفتاری کے باوجود کسی ایسی کار کے آثار نظر نہ آئے۔ جس میں کسی کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہو۔

آخر وہ واپس آ گئے۔ کرنل حادوانی مارے صدمے کے بے ہوش ہو چکے تھے۔ ان کی بیگم ہچکیاں کھا رہی تھیں۔ ان کے ایک ہی تو بیٹا تھا۔ اس کی ساری جائداد، کارخانوں اور فیکٹریوں کا تنہا مالک۔ جو بیس سال بعد آ رہا تھا۔ اور آنے نہیں پایا تھا کہ اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ ایسے میں فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید فوراً فون کی طرف لپکے۔

"ہیلو۔"

"کرنل صاحب؟" دوسری طرف سے سوالیہ انداز میں کہا گیا۔

"یس۔" وہ ان کی آواز میں بولے۔

"آپ کا بیٹا۔ اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"صرف ایک کروڑ۔ بیٹا بالکل صحیح سلامت آپ کو

مل جائے گا۔ اور دیر بھی نہیں لگے گی۔ ابھی اور اسی
وقت ایک کروڑ کا ہیرا لے کر مشرقی پہاڑیوں میں آ
جائیں۔ ہیرا دے کر بیٹا لے لیں۔ ہم جانتے ہیں۔
آپ وہ ہیرا اپنے سیف میں رکھتے ہیں۔"

"اچھا! میں ابھی آتا ہوں۔"

"ایک بات سن لو۔ یہ پہاڑیاں اس قسم کی ہیں
کہ اگر تم کسی اور کو ساتھ لائے تو فوراً ہمیں پتا چل
جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر انھوں نے جلدی جلدی کرنل جاودانی کا
میک اپ اپنے چہرے پر کیا اور کرنل صاحب کے
پاس آئے۔ وہ اب ہوش میں تھے، تاہم ان کی حالت
غیر تھی۔

"اغوا کرنے والے آپ سے صرف ایک کروڑ روپے والا
ہیرا مانگتے ہیں۔ جو آپ سیف میں رکھتے ہیں۔
لے لیں وہ جو لینا چاہتے ہیں۔ میرا بیٹا دے دیں۔"

"آپ وہ ہیرا نکال دیں۔"

وہ اندر گئے اور ہیرا نکال لائے۔ انسپکٹر جمشید نے
ہیرا جیب میں رکھا اور ان تینوں سے بولے

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ خان رحمان کی گاڑی میں روانہ ہوئے۔
آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے وہ پہاڑیوں تک
پہنچ گئے اور گاڑی سے اتر کر ایک چٹان پر کھڑے ہو
گئے۔ اچانک انھیں دس آدمیوں نے گھیر لیا۔ کلاشن کوفیں
ان کے ہاتھوں میں تھیں۔

"ہیرا ہمارے حوالے کر دیں۔"

"میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"جونہی ہیرا ہمیں دیں گے۔ بیٹا گاڑی کی طرف جاتا
نظر آئے گا۔ پھر آپ بھی گاڑی کی طرف چلے جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے ہیرا جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا
دیا۔ ہیرا ان کے ہاتھ سے لے لیا گیا۔ ساتھ ہی ایک نوجوان
کار میں بیٹھتا نظر آیا۔

"اب آپ بھی کار کی طرف چلے جائیں۔ یاد رکھیں۔
کوئی گڑبڑ کی یا پولیس کو بلا کر لائے تو ہم سے برا کوئی
نہیں ہوگا۔ بس اس واقعے کو بالکل بھول جانا آپ کے
حق میں بہتر ہوگا۔"

"اچھا!" انھوں نے کہا۔

اور کار کی طرف مڑ گئے۔ نوجوان پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس کے اوسان بالکل خطا تھے۔

"تم ٹھیک تو ہو بیٹے؟"

"آپ۔ آپ کون ہیں؟"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی میں بیٹھے، اسے اسٹارٹ کیا۔ اور گھما کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"آپ کے والد مارے صدمے کے یہاں آنے کے قابل نہیں تھے۔ ان لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ہیرا لے کر وہ آئیں۔ لہٰذا ان کے بیک اپ میں میں آ گیا ہوں۔"

"بہت خوب۔ لیکن آپ کون ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید۔"

"ابو نے اپنے خطوط میں کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔"

"ہم دوست ضرور ہیں، بچپن کے ہیں، لیکن ملاقات ہماری سالوں میں کبھی ہوتی ہے۔ خطوط میں ذکر ان لوگوں کا ہوتا ہے۔ جن سے روز کی ملاقات ہو۔"

"آپ ایکسپرٹ ہیں۔ کس چیز کے؟"

"محکمہ سراغ رسانی کے۔"

"اوہ۔ تب تو بالکل درست آدمی مجھے لینے کے لیے آئے۔"

"آپ کے ساتھ مینیجر صاحب اور ان کے بچے تھے۔ اور آپ کے پروفیسر انکل تھے۔ وہ کہاں ہیں؟"

"مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ چاروں طرف فائرنگ کر کے گاڑی کے ٹائر برسٹ کر دیے گئے تھے۔ پھر مجھے گاڑی سے کھینچ لیا گیا اور ایک دوسری گاڑی میں بٹھا لیا گیا۔ وہ لوگ تو اسی گاڑی میں چیختے چلاتے رہ گئے تھے۔"

"تب تو انھیں گھر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ شاید وہ پہنچ گئے ہوں۔"

وہ کوٹھی میں داخل ہوئے۔

"لیجیے۔ کرنل صاحب! میں آپ کے بیٹے کو ساتھ لے آیا ہوں۔"

سب ان کی طرف دوڑ پڑے، لیکن جونہی وہ کار سے نیچے اترے۔ کرنل صاحب اور کئی اور لوگوں کے منہ سے نکلا:

"ارے! یہ کیا؟"

ایک نہیں دو

"خیر تو ہے — کیا بات ہے؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ — یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔"

"کیا کہا — یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے؟" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" نوجوان نے چلّا کر کہا۔

"کیوں، کیا ہوا؟"

"میں آپ کا بیٹا ہوں — اور آپ کہہ رہے ہیں — میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں"

"ہاں — ٹھیک ہے — تم میرے بیٹے نہیں ہو۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"اس طرح کہ بیس سال تک میری اپنے بیٹے سے

خط و کتابت رہی ہے — اس کی تصاویر میرے پاس ہیں اور میری تصاویر اس کے پاس ہیں۔"

"بالکل ٹھیک، میں آپ کو اپنی تصاویر بھیجتا رہا ہوں۔ وہ یہاں ہونی ہی چاہییں۔" نوجوان نے کہا۔

"بیگم — تم ذرا وہ تصاویر لانا۔"

"ابھی لاتی ہوں۔"

جلد ہی وہ ایک البم اٹھائے وہاں آگئیں — اور البم کھول کر ایک نوجوان پر انگلی رکھتے ہوئے بولیں:

"یہ ہے ہمارا بیٹا۔"

سب نے اس نوجوان کی تصویر کو دیکھا۔

"ہاں! یہ ہے میرا بیٹا — بیس سال تک اس کے خط اس کی تصاویر کے ساتھ آتے رہے ہیں۔"

"میں بھی ہر خط میں آپ کو اپنی تصویر بھیجتا رہا ہوں اور آپ کی تصاویر مجھے ملتی رہی ہیں۔" نوجوان نے جھنجلا کر کہا۔

"یہ تو بہت الجھن والا معاملہ پیش آگیا۔" انسپکٹر جمشید نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

عین اس وقت کار وں کے ہارن بجنے لگے، پھر کوئی دوڑتا ہوا آیا — انھوں نے دیکھا — گھر کا بوڑھا ملازم

بے تحاشہ ان کی طرف دوڑ رہا تھا:

"مالک — چھوٹے مالک آ گئے — ان کے ساتھ منیجر صاحب اور پروفیسر تھینا بھی ہیں۔"

"دیکھا — میں نہ کہتا تھا" کرنل صاحب بولے، لیکن اپنی جگہ سے ہلے نہیں۔

"محمود، فاروق، فرزانہ — تم اس نوجوان پر نظر رکھنا۔ یہ ضرور فراڈ ہے — ابھی ہمیں اس سے ایک کروڑ کا ہیرا بھی وصول کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا اور باہر کی طرف لپکے — دوسرے بھی باہر کا رُخ کر چکے تھے۔

"جی بہتر!" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"میں بھی یہیں ٹھہروں گا۔" کرنل صاحب بولے۔

"لیجیے جناب! آپ تو فراڈ ثابت ہو گئے — لیکن یہ چکر ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں فراڈ نہیں ہوں — اس گھرانے کا فرزند ہوں — بیس سال پہلے میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے باہر چلا گیا تھا — بیس سال تک نہ میں یہاں آیا نہ ابو وہاں گئے، کیونکہ ان کے نجومی نے ایسا کرنے کے لیے کہا تھا — اگرچہ اب میں بڑا ہونے کے بعد ان باتوں کو فضول خیال کرتا ہوں — خیر

ان بیس سالوں کے دوران ان کے خطوط اور تصاویر میرے پاس آتے رہے — میرے خطوط اور تصاویر ان کے پاس آتے رہے — لیکن اب مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ میں ان کا بیٹا نہیں ہوں — اور وہ کسی اور کو اپنے بیٹے کے طور پر لیے گئے ہیں — بے کوئی تک۔

"آپ کے ساتھ بیس سال تک ان کے منیجر اور گھر والوں سمیت رہے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"بالکل رہے ہیں۔"

"لیکن اب وہ کہاں ہیں؟"

"وہ میرے ساتھ ہی کار میں بیٹھے تھے — اغوا کرنے والوں نے مجھے کار میں سے کھینچ کر اپنی کار میں بٹھا لیا — پروفیسر تھینا اور منیجر صاحب وغیرہ اسی کار میں بیٹھے رہ گئے — کیونکہ اغوا کرنے والے ڈرائیونگ کر رہے تھے۔"

عین اس وقت بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور انھوں نے سب لوگوں کو ایک لمبے چوڑے خوبصورت نوجوان کے ساتھ آتے دیکھا:

"ابا جان! میں آ گیا ہوں۔" اس نے گاڑی سے باہر آتے ہی بازو پھیلا دیے۔

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے — اس نوجوان

کی آواز سب سے بلند تھی۔

"جی — کیا مطلب کیا — آپ لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟"
پروفیسر شینا کی آواز گونجی۔

"ہم — ہیرا — ایک کروڑ کا ہیرا — اس بدمعاش کو پکڑ لو۔" کرنل چلائے۔

"ایک کروڑ کا ہیرا — آپ کس ہیرے کی بات کر رہے ہیں — آگے بڑھ کر بیٹے کو گلے کیوں نہیں لگاتے سر — جو بیس سال بعد آیا ہے — اور بازو پھیلائے کھڑا ہے۔"

"اوہ ہاں — کیوں نہیں — لیکن اس کا خیال رکھنا — یہ بھاگ نہ جائے۔"

وہ نئے آنے والے نوجوان کی طرف دوڑ پڑے — اسے گلے سے لگا کر خوب پیار کیا — آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولے:

"میرا بیٹا — خدا کا شکر ہے — تم آ گئے — ورنہ ہم تو بہت بڑے دھوکے کا شکار ہونے والے تھے۔"

"جی — دھوکا — کیا مطلب؟"

"ابھی بتاتا ہوں — آؤ — تم بیٹھو۔"

پھر سب لوگ بیٹھ گئے — سب بعد میں آنے والوں

کو پہلے کی کہانی سنائی گئی — کہانی سنتے ہی پروفیسر شینا اور میجر صاحب چلا اٹھے:

"تب یہ جھوٹا ہے — دھوکے باز ہے — فریبی ہے — ہم اس کے ساتھ نہیں تھے — اگر ہوتے تو پھر دیکھتے — جہاں میڈم برے اسے خو کیا گیا تھا — یہ ضرور ایک کروڑ کا ہیرا حاصل کرنے کا منصوبہ تھا — بہرحال — پولیس سے سکوتے نہیں — مسٹر جمشید آپ پولیس کو فون کریں۔"

"ایک منٹ — پولیس کے آتے آتے تو ہم بات کر سکتے ہیں — ذرا پتا لگائیں کی سچائی تو جانچ لی جائے — مسٹر آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام — خاور قادری ہے۔"

"نہیں! یہ میرا نام ہے۔" بعد میں آنے والے نے کہا۔

"بالکل ٹھیک بیٹے — تم پریشان نہ ہو — یہ انسپکٹر جمشید صاحب خود دیکھ لیں گے۔"

"اوہ ہاں، یہ تو بہت نامی گرامی شخص ہیں۔"

"اور میرے بچپن کے دوست۔" کرنل صاحب مسکرائے۔

"مسٹر! آپ وہ خطوط دکھائیں — جو آپ کو کرنل صاحب کے ملتے رہے ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کے پاس میرے خطوط کیوں ہونے لگے؟"

"ذرا ٹھہریں۔ ہم ان کے بیان کے مطابق ہی انہیں چیک کریں گے۔ اور پھر انہیں بھی چیک کریں گے۔"

"مجھے بھلا اس بات کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ جو اصل ہے۔ وہ خود کو چیک کرتے وقت کیوں گھبرانے لگا۔" بعد والے نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔"

"میں ابھی نکالتا ہوں۔ لیکن۔ میرا سامان تو اس کار میں ہی رہ گیا تھا۔"

"اوہ ہاں! وہ کار اب تک وہیں ہے۔ پولیس والے اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ جائیں اور اپنا سامان اس میں سے نکال لائیں۔ گاڑی پر جائیں اور یاد رکھیں، فرار ہونے کی کوشش بے سود ہو گی۔ یہ تینوں تو اچھے اچھوں کو فرار نہیں ہونے دیتے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"بلکہ بڑے بڑوں کو بھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اور پھر وہ اسے ساتھ لے کر چلے گئے۔

"توبہ توبہ۔ کیسے کیسے فراڈ لوگ ہو گئے دنیا میں۔" بعد

والے نے کہا۔

"آپ بھی وہ خطوط نکال لیں۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اس نے اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے بے شمار خطوط اور تصاویر نکال کر ان کے سامنے پھیلا دیے۔

"یہ سب خطوط آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے رہے ہیں کرنل صاحب۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی ہاں! بالکل۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"کرنل صاحب۔ آپ کو اپنے بیٹے کے جو خطوط ملتے رہے ہیں۔ آپ وہ نکال لائیں۔"

"اچھا۔ لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔ جس کے ساتھ پروفیسر شینا اور میجر صاحب آئے ہیں۔ بس وہ اصلی ہے۔"

"دوسرے کے دعوے کو بھی تو غلط ثابت کرنا ہے۔ تبھی اس پر کیس چلے گا۔ اور اس کے ساتھیوں کا پتا چلے گا۔ ان سے ایک کروڑ روپے کا ہیرا حاصل نہیں کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ ہاں واقعی۔ یہ تو ہے۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

وہ اندر گئے اور بے شمار خطوط اٹھا لائے۔ انھوں

نے ان خطوط کو دیکھا، پھر نوجوان سے بولے:

"یہ آپ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں؟"

"بالکل! یہ خطوط میرے لکھے ہوئے ہیں۔"

"یہ اس کے جھوٹا ہونے کا ایک اور ثبوت مل گیا۔ اصلی بیٹے کے خطوط انھیں ملتے رہے ہیں اور ان کے خطوط اسے ملتے رہے ہیں۔"

"بالکل! وہ سو فی صد فراڈ ہے۔"

جلد ہی پہلا نوجوان آتا نظر آیا۔ آتے ہی اس نے بھی ڈھیروں خطوط اور تصاویر ان کے سامنے پھیلا دیے:

"یہ ہیں وہ خطوط اور تصاویر جو آپ مجھے بھیجتے رہے ہیں۔ اب بتائیے۔ کیا یہ آپ کی تصاویر نہیں ہیں؟" پہلے نوجوان نے چلا کر کہا۔

"یہ تصاویر ضرور میری ہیں۔ لیکن۔ یہ خطوط میرے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ میرے لکھے ہوئے خطوط اس کے پاس ہیں۔ میرے بیٹے کے پاس۔"

"اوہ نہیں۔ یہ۔ یہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔"

"ذرا صبر کریں۔" انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا اور کرنل صاحب سے بولے:

"ان خطوط کو غور سے دیکھیں۔ کیا یہ واقعی آپ نے

نہیں لکھے؟"

"جی نہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں۔"

"تب پھر اس نوجوان کے پاس آپ کی اتنی بہت سی تصاویر کہاں سے آگئیں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ فراڈ لوگوں کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کوئی چکر تو چلایا ہوگا۔"

"آپ اپنے والی تصاویر دکھائیں ذرا۔" انھوں نے بعد والے نوجوان سے کہا۔

اس نے اپنے والی تصاویر ان کے آگے پھیلا دیں۔ انھوں نے دونوں طرف کی تصاویر کو دیکھا اور پھر بولے:

"کم از کم تصاویر مشترک ہیں۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"جو تصاویر ادھر ہیں۔ بالکل وہی تصاویر ادھر ہیں اور یہ عجیب ترین بات ہے۔"

"لیکن میرے اصلی خطوط بعد میں آنے والے میرے بیٹے کے پاس سے ملے ہیں۔"

"ہاں! اور اس کیس کا سب سے بڑا ثبوت منیجر صاحب ہیں۔ وہ بعد میں آئے ہیں اور بعد والے نوجوان کے ساتھ ہیں۔"

"میں نے بیس سال جس نوجوان کے ساتھ گزارے - اس
کا ساتھ نہیں دوں گا تو کیا اس نوجوان کا ساتھ دوں گا،
جسے زندگی میں آج پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر
پہلے نوجوان سے بولے:

"میں سمجھ نہیں سکا نوجوان - تم نے یہ منصوبہ کیوں بنایا،
تمہیں کامیاب ہونے کی اُمید کس طرح تھی؟"

"میں نے کوئی منصوبہ نہیں بنایا" اس نے جھلا کر کہا

"ارے تو کیا انھوں نے منصوبہ بنایا ہے؟"

"میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"آپ نے بیس سال جس گھر میں گزارے - وہ گھر دکھا
سکتے ہیں آپ؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت خوب انسپکٹر جمشید۔" کرنل جاودانی نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! ضرور دکھا سکتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات - ہم کل ہی آپ کو ساتھ لے کر اس
ملک میں جائیں گے۔"

"آپ اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اس حد تک ثبوت
حاصل کریں گے" ایک مہمان نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ معاملہ ایک انسان کے مجرم ہونے یا نہ ہونے

کا ہے - میں کسی کو بغیر جرم کے ایک منٹ کے لیے
بھی جیل بھجوانا پسند نہیں کرتا۔"

"جیسے آپ کی مرضی - یہ آپ کا کام ہے - ہم کیا کہہ
سکتے ہیں۔"

"میں کل اس نوجوان کو ساتھ لے جاؤں گا - اور آ کر
آپ لوگوں کو بتاؤں گا - اس کا منصوبہ کیا تھا۔"

"بہت خوب! منتظر رہیں گے۔"

اور پھر وہ اس نوجوان کو ساتھ لیے وہاں سے رخصت
ہو گئے - پولیس نے جب اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگانے
کی کوشش کی تو انسپکٹر جمشید نے کہا

"نہیں اس کی ضرورت نہیں - یہ ہمارے قبضے سے فرار
نہیں ہو سکے گا۔"

"او کے سر"

اور پھر وہ اسے حوالات کے بجائے اپنے گھر لے آئے

"یہ - یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں۔"

"جب تک یہ فیصلہ نہیں ہو جاتا - کہ آپ کون ہیں -
آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا منصوبہ کیا تھا - اس وقت
تک میں آپ کو نہ تو حوالات میں رکھوں گا، نہ جیل بھجواؤں
گا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ عجیب ہیں۔"

"محمود، فاروق اور فرزانہ — تم انھیں ان کا کمرہ دکھا دو — ان کا ہر طرح خیال رکھنا — یہ فی الحال ہمارے مہمان ہیں، ہاں یہ فرار ہونے کی کوشش کریں تو فرار نہ ہونے دینا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے — آئیے چلیں۔"

وہ اسے مہمان خانے میں لے آئے —

"یہ آپ کا کمرہ ہے — آپ کو ضرورت کی ہر چیز یہاں ملے گی — پھر بھی کوئی چیز نہ مل سکے تو دستک دے دیجیے گا — ہم حاضر ہو جائیں گے — اس گھر میں آپ کو ہر طرح کا آرام ملے گا — بس آپ فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گے — جونہی آپ نے کوئی ایسی کوشش کی — ہم آپ کو پکڑ لیں گے اور اس کے بعد اچھا سلوک ہرگز نہیں کریں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں — مجھے فرار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"ویسے ہمارا ایک مشورہ ہے — آپ ہمیں اپنی اصلی کہانی سنا دیں۔"

"میری اصلی کہانی یہ ہے کہ بیس سال پہلے ایک بے وقوف

نجومی کے کہنے پر میرے ابو نے مجھے ملک سے باہر بھیج دیا تھا اور میری دیکھ بھال کے لیے اپنے منیجر اور ان کے گھر والوں کو میرے ساتھ بھیجا تھا — میں نے بیس سال وہاں رہ کر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی ہے — اور منیجر کے ساتھ رہا ہوں — بیس سال گزرنے پر میں واپس آیا ہوں تو یہاں ایک اور صاحب خود کو خاور جاودانی بتاتے نظر آئے — اور میری کیا کہانی ہو سکتی ہے۔"

"اچھی بات ہے — اس منیجر کا حلیہ بتائیں۔" فرزانہ نے سوچ کر کہا۔

"حلیہ — ہاں ضرور کیوں نہیں — ان کا قد لمبا — چہرہ لمبوترا، ناک بھی لمبی — سر کے بال بالکل سیاہ، آنکھیں بالکل سیاہ — رنگ گندمی۔"

"حلیے میں کوئی اور خاص چیز؟"

"ناک کی نوک پر سرخ رنگ کا تل۔"

"کیا!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"جی ہاں! میں خود بھی حیران ہوں — دونوں منیجروں کے حلیے ایک جیسے ہیں، لیکن بہرحال ان کی شکلیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔"

"حلیوں کا ایک جیسا ہونا بھی عجیب بات ہے — یہ کوئی

گہرا چکر معلوم ہوتا ہے اور اب ہم اس چکر کا پتا چلا کر رہیں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ اس کے کمرے سے نکل آئے۔

"کیوں! کچھ بتایا اس نے؟" انسپکٹر جمشید نے انھیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔

"اس سے صرف ایک بات معلوم ہو سکی ہے — بیس سال تک وہ جس مینجر کے ساتھ رہا ہے، اس کا حلیہ قریباً ویسا ہی بتاتا ہے، جیسا کہ مینجر کا ہے — کیا یہ بات عجیب نہیں ابا جان؟"

"عجیب تو اس کیس کی ہر بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا آپ اب تک کسی نتیجے پر پہنچ سکے ہیں؟"

"نہیں — لیکن بہت جلد پہنچنے والا ہوں — اس کے کمرے کی ہر بات ریکارڈ ہو گی — تصاویر بھی تیار ہوں گی۔ اگر اس نے فون پر کسی سے بات کرنے کی کوشش کی تو وہ گفتگو بھی ہمیں معلوم ہو جائے گی — فرار ہونے کی کوشش کی تو ریکارڈ ہو جائے گی — لہٰذا صبح تک ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے — یہ حضرت تو اچھی طرح چیک ہو جائیں گے اور حوالات کے بجائے گھر لانے کا مقصد بھی یہی تھا — لیکن دوسرے صاحب کو کیا آپ چیک نہیں کریں گے؟" محمود نے کہا۔

"ضرور کریں گے — میں تو اس ملک میں جانے کی سوچ رہا ہوں — جہاں ان دونوں نے بیس سال گزارے ہیں۔ میں وہ دونوں گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ! تب تو مزا رہے گا — ذرا اس ملک کی سیر ہو جائے گی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا — کیس شروع ہونے والا ہے — اور کیس شروع ہو گیا — اب ہم دن رات کو کہاں دیکھیں گے۔"

"دن رات کو دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے — دن رات تو خود ہمیں دیکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دوسرے دن اس کمرے میں فٹ آلات کی رپورٹ بالکل سادہ تھی — اس نوجوان نے نہ کوئی فون کیا تھا — نہ کوئی حرکت کی تھی — نہ فرار ہونے کی کوشش کی تھی — اس نے عام انداز میں رات گزاری تھی — یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"یا تو یہ نوجوان بالکل معصوم ہے — یا بہت بڑا چالاک اور ہوشیار انسان ہے — آؤ ذرا دیکھیں۔"

وہ اس کے کمرے کی طرف چلے — عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی —

حملہ

"ہیلو انسپکٹر صاحب — کرنل جاودانی بات کر رہا ہوں۔"

"خیریت تو ہے کرنل صاحب؟"

"خیر نہیں ہے — ابھی ابھی میرے بیٹے پر کسی نے حملہ کیا ہے — قاتلانہ حملہ — آپ فوراً آجائیں — یہ بل کے آتے ہی نہ جانے کیا چکر شروع ہو گیا۔"

"میں آ رہا ہوں — آپ گھبرائیں نہ۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا

"وہاں والے خاور جاودانی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے — میں وہاں جا رہا ہوں — تم تینوں یہیں ٹھہرو گے — شاید ہمارے ساتھ کوئی بہت چالاک شخص کوئی خوفناک کھیل کھیل رہا ہے — ورنہ اگر میں تم تینوں کو ساتھ لے کر گیا تو وہ یہاں کوئی کام شروع کر دے گا — اس لیے پوری طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے — تم گھر سے

باہر نہیں جاؤ گے۔ نہ مہمان کو باہر جانے دو گے۔
کسی ملاقاتی کو۔ میرا مطلب ہے، کسی اجنبی کو اندر
داخل نہ ہونے دینا۔ ابھی تک ہم یہ نہیں سمجھ
پائے کہ مجرم چاہتا کیا ہے۔"

"بہت بہتر ابا جان۔ آپ فکر نہ کریں۔"

انسپکٹر جمشید بہت تیز کار چلا کر کرنل صاحب کے
ہاں پہنچے۔ وہ کوٹھی کے لان میں بے تابانہ انداز میں ٹہل
رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑ پڑے:

"اُف مالک۔ یہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ پہلے ایک نقلی
بیٹا یہاں آ گیا۔ آپ اسے لے کر گئے تو میرے اصل
بیٹے پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔"

"حملے کی تفصیل بتائیں۔ اور وہ ہیں کہاں؟"

"اپنے کمرے میں، وہ بال بال بچے ہیں۔"

"تفصیل بتائیں۔"

"کسی نامعلوم شخص نے ان پر فائر کیا تھا۔ گولی
ان کے سر پر سے گزر گئی اور دیوار میں لگی۔ فائر کرنے
والا پائیں باغ میں کہیں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ فائر
کرنے کے فوراً بعد ہم نے اسے بھاگتے ہوئے صاف
دیکھا۔" کرنل جاودانی نے بتایا۔

"لیکن۔ کیا آپ اس کا چہرہ دیکھ سکے؟"

"جی نہیں، ہمیں تو خاور کی فکر پڑ گئی تھی۔ دھماکے کی
آواز کے ساتھ ہی وہ نیچے گرا۔ ہم سمجھے اسے گولی لگ
گئی۔ یہ تو بعد میں ہمیں پتا چلا۔ کہ گولی اسے نہیں لگی۔"

"آئیے۔ مجھے وہ جگہ دکھائیے۔ جہاں گولی لگی ہے۔"

وہ انہیں اس دیوار کے پاس لے گئے۔ دیوار کا تھوڑا
سا پلستر ادھڑ گیا تھا۔ انہوں نے چاقو کی مدد سے گولی
اندر سے نکالی۔ اور اسے محفوظ کر لیا۔ پھر وہ خاور
جاودانی کے پاس پہنچے۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی
خوف تھا۔

"آخر وہ کون ہے۔ جو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ
سب چکر کیا ہے۔" اس نے قریباً چیخ کر کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو کوئی بھی
ہے۔ ہم اسے بہت جلد گرفتار کر لیں گے۔ بیرونی
دروازہ آج تمام وقت کھلا رہا ہے۔ غالباً وہ نظر بچا
کر اندر داخل ہو گیا اور پھر موقعے کی تاک میں رہا،
جونہی خاور صاحب اس کی زد پر آئے، اس نے
فائر کر دیا۔ لیکن اللہ کو ان کی زندگی منظور تھی۔
اس کا نشانہ خطا گیا۔ لیکن ان کے گرنے کی وجہ سے

اس نے سمجھ لیا کہ گولی لگ گئی ہے۔ اس لیے اس نے دوسرے فائر کی ضرورت محسوس نہیں کی اور بھاگ نکلا۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"لیکن اب۔ جونہی ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں بچ گیا ہوں۔ وہ پھر فائر کریں گے۔"

"ہاں! اس بات کا زبردست امکان ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کی حفاظت کا انتظام کیے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اکرام کو فون پر ہدایات دیں۔ اور ریسیور رکھ دیا۔

"ابھی چند منٹ بعد یہاں چند سادہ لباس والے پہنچ جائیں گے۔ ان میں سے دو کوٹھی کے اندر آپ کے آس پاس رہیں گے۔ باقی باہر رہ کر نگرانی کریں گے۔"

"بہت خوب! شکریہ!"

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے، آپ تعاون کریں گے۔"

"کیسا تجربہ؟"

"آپ میرے ساتھ اس ملک تک چلیں۔ جس میں آپ نے بیس سال گزارے ہیں۔ ہم وہ گھر دیکھنا

چاہتے ہیں۔"

"ضرور، میں تیار ہوں۔"

"ساتھ میں ہم دوسرے خاور جاودانی کو بھی لے چلیں گے۔ تاکہ اس کا وہ گھر بھی دیکھ سکیں، جس میں اس نے بیس سال گزارے ہیں۔"

"بہت خوب! یہ ٹھیک رہے گا۔ اس طرح جھوٹا ضرور پکڑا جائے گا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر۔ ہم کل ہی جانا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ضرور۔ میں تیار ہوں۔ لیکن میں ابھی سفر کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں رہے گا کہ آپ چند دن بعد چلیں۔"

"نہیں۔ جب ہم کسی کیس پر کام شروع کرتے ہیں تو پھر درمیان میں چند دن انتظار نہیں کرتے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"آپ تیار رہیے گا۔ سفر کا سارا انتظام میں خود کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر آ کر وہ سیدھے خاور کے کمرے میں پہنچے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ساتھ تھے:

"کرنل جادرانی کے گھر میں جو خاور اس وقت موجود ہے ، اس پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"اوہ! وہ دھک سے رہ گیا۔

"لہٰذا اب آپ صاف صاف بتا دیں — یہ سب چکر کیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم — میں بتا دوں — چکر کیا ہے۔"

"ہاں آپ نہیں بتائیں گے تو کون بتائے گا۔"

"جی بات یہ ہے — میں ساری بات پوری تفصیل سے آپ کو سنا دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن سنانے سے پہلے یہ سوچ لیں — کہ ہم بات کی تصدیق کریں گے — اور اگر آپ کی کہانی جھوٹی ثابت ہوئی تو پھر آپ کو فوراً حوالات بھیج دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"کہانی شروع کریں۔"

"بیس سال پہلے ابو نے نجومی پروفیسر شیتا کے کہنے پر مجھے ملک سے باہر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا — اپنے مینجر کو ان کی فیملی سمیت میرے ساتھ بھیجا گیا — تاکہ وہ پوری فیملی میرے ساتھ رہے اور میں تنہائی محسوس نہ کروں۔ اور میرے تمام کام بھی وہ لوگ کرتے رہیں — اس سلسلے

میں تمام تر اخراجات ابو ہر سال ہمیں بھیجتے رہے — ان بیس سالوں کے دوران وہ اپنے خطوط اور تصاویر بھیجتے رہے ، دوسری طرف ہم خطوط اور تصاویر بھیجتے رہے — بیس سال بعد میں یہاں آیا تو یہاں جو حالات پیش آئے — وہ آپ کو معلوم ہی ہیں۔"

"یہ آپ نے کہانی سنائی ہے" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"کیوں جناب! کیا یہ کہانی نہیں ہے۔"

"یہ تو آپ پہلے ہی سنا چکے ہیں — اور آپ کی یہ کہانی بالکل غلط ثابت ہو چکی ہے — اس لیے کہ مینجر فیملی دوسرے خاور کے ساتھ آئی ہے۔"

"جو لوگ اس کے ساتھ آئے ہیں — وہ مینجر فیملی کے نہیں ہیں — ان لوگوں کو تو مجھ پر حملے کے فوراً بعد غائب کر دیا گیا ہے — اور اگر آپ نہ پہنچ جاتے — وہ مجھے بھی غائب کر دیتے — حیرت اس بات پر ہے کہ انھوں نے صرف ایک کروڑ لے کر مجھے چھوڑ دیا — جب کہ میرے ابو تو میرے لیے کئی کروڑ دے سکتے تھے۔"

"بالکل یہی کہانی دوسرا خاور سناتا ہے — اب یہ کس طرح معلوم ہو کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون — خیر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل ہم اس ملک جائیں گے جہاں

آپ دونوں نے ...ی بندگی کے بیس سال گزارے ہیں"

"ضرور چلیے" میں نے کہا۔

...وہ اسے چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔

"...مسئلہ ابھی تک سلجھنے کا نام نہیں لے رہا"

"...دو باتیں میرے ذہن میں ہل چل مچا رہی ہیں" فرزانہ
نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"...پوچھیے — وہ کیا" محمود اس کی طرف مڑا۔

"نمبر ایک یہ کہ اغوا کرنے والوں کو یہ کس طرح معلوم
تھا — کہ سیف میں ایک کروڑ کا ہیرا موجود ہے — نمبر دو
خطوط جو ہمارے والا خاور جاودانی اپنے باپ کو لکھتا رہا
ہے — آخر وہ آتے تو اسی پتے پر رہے ہیں — تو پھر
کرنل صاحب کو اس چکر کا پتا کیوں نہ چلا"

"ہو سکتا ہے — ڈاک ان کا کوئی کلرک وغیرہ وصول
کرتا ہو"

"تو پھر چلیے — سب سے پہلے اس کلرک سے ملنا
چاہیے — ہو سکتا ہے — ایک کروڑ کے ہیرے کی بات
بھی اغوا کرنے والوں کو اسی نے بتائی ہو"

"اوہ ہاں — ٹھیک ہے"

اب وہ چاروں ایک بار پھر کرنل کی کوٹھی پہنچے۔ کرنل

انھیں دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور بولے:

"ابھی ابھی تو آپ یہاں سے گئے ہیں"

"تفتیش کا کام ایسا ہی ہوتا ہے"

"خیر فرمائیے — میں کیا خدمت کر سکتا ہوں"

"کرنل صاحب — ایک بہت اہم پہلو ہے — دو آدمی
ہیں جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ آپ کو بیرونِ ملک
سے خط لکھتے رہے ہیں — ظاہر ہے کہ دونوں اسی پتے
پر لکھتے رہے ہوں گے — پھر یہ کیونکر ہوا کہ ایک کے
خطوط تو آپ کو ملتے رہے اور دوسرے کا ایک بھی خط
آپ کو نہیں ملا"

"ہوں — واقعی — یہ بھی ہے"

"ڈاک آپ کو براہ راست ملتی ہے — یا پہلے کوئی
کلرک وصول کرتا ہے"

"اس قسم کے تمام کاموں کے لیے میرا باقاعدہ دفتر
موجود ہے — کوٹھی کے دائیں طرف — ڈاک کی وصولی وہیں
ہوتی ہے — اور خطوط بھی وہیں سے پوسٹ کیے جاتے
ہیں — میرا مطلب ہے — خطوط کو لفافوں میں بند کرنا —
ان پر ڈاک کے ٹکٹ لگانا وغیرہ — اس قسم کے باقی
سب کام بھی وہیں ہوتے ہیں — مجھ سے متعلق کوئی

خط ہوتا ہے — یعنی ذاتی نوعیت کا — تو صرف وہ خط مجھ تک پہنچتا ہے — باقی ساری ڈاک میں نہیں پڑھتا۔"

"تب تو پھر ڈاک کھل جانے کے بعد آپ تک آتی ہوگی۔"

"ہاں! صرف وہ خطوط جن پر ذاتی کا لفظ لکھا ہوتا ہے — ان کو کلرک نہیں کھولتا۔"

"خاور صاحب کے جو خطوط آپ کو ملتے رہے ہیں — کیا ان پر ذاتی کا لفظ ہوتا تھا؟"

"نہیں — لہٰذا وہ بھی کھولے جانے کے بعد مجھ تک پہنچتے تھے — اور میں نے کبھی اس بات کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی کہ وہ بند حالت میں مجھ تک پہنچیں — کیونکہ ان میں صرف خیریت کی اطلاع ہوتی تھی۔"

"ہوں! اچھا یہ بتائیے — ایک کروڑ کے ہیرے کے بارے میں گھر میں کس کس کو معلوم ہے؟"

"یہ بات تو گھر کے ہر فرد کو معلوم تھی، یہاں تک کہ ہر ملازم کو بھی — جب میں نے وہ ہیرا خریدا تھا تو سب نے ہی اس کو دیکھا تھا۔"

"ہوں! تب تو ہیرے کا معاملہ راز میں نہیں تھا؟"

"بالکل نہیں۔"

اب وہ ان کے دفتر پہنچے — ڈاک وصول کرنے والے کلرک کا نام فیاض ہاشمی تھا — اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"تو ڈاک آپ وصول کرتے ہیں اور کھولتے ہیں؟"

"ہاں جناب — کیوں کیا بات ہے؟"

"آپ یہاں کب سے ملازم ہیں؟"

"اٹھارہ سال کا تھا جب ملازم ہوا تھا — اب پچاس سال کا ہوں۔"

"خوب! بیرون ملک سے ایک خاور کے خط آتے تھے یا دو کے؟"

"جی کیا مطلب — دو خاوروں کے خط بھلا کس طرح آسکتے تھے؟"

"میرا دعویٰ ہے — دو کے خط آتے تھے — اور یہ بات میں ابھی ثابت کر سکتا ہوں۔"

"جی کیا مطلب؟"

وہ زور سے اچھلے —

پیچ

"کیا مطلب؟" اس نے سنبھل کر پھر کہا۔

"میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں کہ خطوط یہاں دو خاور جاودانی صاحبان کے آتے رہے ہیں، لیکن آپ کرنل صاحب کو صرف ایک کے خط دیتے رہے ہیں۔"

"یہ — یہ — یہ غلط ہے۔"

"میں نے کہا نا — میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔"

"تو کریں ثابت!" اس نے جھلا کر کہا۔

"محمود! تم کرنل صاحب کو بلا لاؤ۔"

"کیا مطلب، ان کی یہاں کیا ضرورت؟" کلرک گھبرا گیا۔

"ان کی موجودگی میں یہ ثابت کی جائے گی۔"

"اور اگر آپ ثابت نہ کر سکے۔" اس نے کہا۔

"تو ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے — محمود! تم [illegible]" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود گیا اور کرنل صاحب کو بلا لایا۔ ان کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے جمشید؟" وہ بولے۔

"میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں کہ یہاں ایک خاور کے نہیں، دو خاوروں کے خطوط آتے رہے ہیں، لیکن آپ تک ایک کے خط یہ حضرت پہنچاتے رہے ہیں، حالانکہ ان کا فرض تھا کہ وہ دونوں کے خطوط آپ تک پہنچاتے۔" انھوں نے کہا۔

"کیوں فیاض؟" کرنل صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ غلط ہے جناب۔"

"اچھی بات ہے — اب تم ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ — محمود، فاروق اور فرزانہ تم ثابت کرو۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"جی — جی — ہم ثابت کریں۔" تینوں نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! تمھیں ہی تو ثابت کرنا پڑے گا۔"

"جی بہتر — آؤ بھئی۔" محمود نے کہا اور ان کے دفتر کی ایک ایک چیز کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ ابھی انھوں نے کام شروع کیا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید ہنس دیے اور بولے:

"بس بس۔ رہنے دو۔ تم کر چکے ثابت۔"

"جی کیا مطلب۔ ہم ثابت کر بھی چکے، لیکن کیسے؟"

"میرا مطلب ہے۔ تم وہاں نہیں پہنچ سکے۔ جہاں میں چاہتا تھا کہ تم پہنچو۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ یہ بات ہم یہاں ثابت نہیں کر سکیں گے؟"

"ہاں! بیرونِ ملک سے جتنے بھی خطوط آتے رہے ہیں۔ ان کی رسیدوں پر فیاض ماما صاحب دستخط کر کے دیتے رہے ہیں۔ جتنے خطوط کرنل صاحب کو ملے ہیں۔ اگر اتنے ہی دستخط کر کے فیاض صاحب دیتے رہے ہیں، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر دستخط زیادہ ہیں اور خطوط کم تو فیاض صاحب مارے گئے۔"

"اوہ" فیاض ماما کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

"اب کیا کہتے ہیں۔ کیا ہم جی پی او اس بات کی چیکنگ کرنے جائیں۔ یا اس کے بغیر ہی آپ اپنے جرم کو قبول کرتے ہیں؟"

"میں۔ میں۔ میں۔" وہ ہکلایا۔

"اب میں میں سے تو کام نہیں چلے گا۔ ذرا صاف بات کریں۔"

"ہاں! دو خاور جاودانیوں کے خطوط آتے رہے ہیں۔"

"کیا۔ نہیں۔"

کرنل جاودانی پوری قوت سے چلائے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت نظر آئی۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، پھر انھوں نے جیسے خواب کی حالت میں کہا۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہو سکتا نہیں، ہو چکا ہے۔ اب تو ان سے پوچھنا یہ ہے۔ کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟"

"بتاؤ فیاض۔ بیس سال تک تم ایسا کس کے کہنے پر کرتے رہے؟"

"ایک نامعلوم آدمی کے کہنے پر۔ اس نے مجھے ہر ماہ دس ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہ آج تک اس وعدے پر قائم ہے۔ اگر یہ حضرات یہ اہم نکتہ سامنے نہ لے آتے تو میں ہرگز یہ بات نہ مانتا کہ خطوط دو خاوروں کے آتے رہے ہیں۔"

"اف میرے مالک۔ ایسا کرنے والا کون ہے۔ اور اس

نے ایسا کیوں کیا — اصلی نادر کون ہے اور نقلی کون؟

"ایک منٹ کرنل صاحب — مسٹر فیاض — اس نے معاہدہ کس طرح کیا تھا؟"

"بذریعہ فون۔"

"رقم وہ کس طرح ادا کرتا رہا ہے؟"

"ہر ماہ میرے بنک اکاؤنٹ میں دس ہزار جمع کرا دیے جاتے ہیں۔"

"کیا تم نے یہ جاننے کی کوشش کبھی نہیں کی کہ وہ کون ہے؟"

"نہیں — اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے ایسی کوئی کوشش کی تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اچھی بات ہے — ہم اسے تلاش کر لیں گے — لیکن تم تو جیل چلے جاؤ۔"

"جی — کیا آپ مجھے جیل بھیجیں گے؟"

"اگر کرنل صاحب آپ کو معاف کرنا چاہیں تو اس صورت میں آپ جیل جانے سے بچ سکتے ہیں۔"

"کرنل صاحب! مجھ پر رحم کریں۔"

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا — کیا کروں، کیا نہ کروں — ابھی تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے اس جرم سے مجھے کیا

نقصان پہنچا ہے اور کیا نہیں — لہٰذا میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا — چلیے فی الحال آپ اسے گرفتار نہ کریں — بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"لیکن اب آپ اسے ملازمت پر تو نہیں رکھ سکتے نا۔"

"ہاں! یہ بھی ہے۔"

"اچھا تو مسٹر فیاض ماہی — تم یہاں سے سیدھے اپنے گھر جاؤ — ہمیں بتائے بغیر تم اس شہر سے باہر نہیں جاؤ گے — اگر تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو پھر کرنل صاحب بھی تمہاری سفارش نہیں کریں گے۔"

"اچھی بات ہے جناب! بہت بہت شکریہ۔"

"تمہارے گھر کا پتا کیا ہے؟"

"پتا — جی ہاں! لکھ لیں۔"

اس نے پتا نوٹ کرا دیا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی انسپکٹر جمشید نے فون کیا — دو سادہ لباس والے اس کے گھر پر مقرر کر دیے — اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ گھر پہنچنے والا ہے — اس کے پہنچنے پر انہیں فون کر دیا جائے —

"ایک بات تو ثابت ہو گئی — اور وہ یہ کہ خطوط لکھنے کے معاملے میں دونوں نادر غلط بیانی نہیں کر رہے۔"

"ہاں، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں نے اپنے ایک بیٹے کو باہر بھیجا تھا، دو کو نہیں۔ آخر یہ دوسرا کہاں سے پیدا ہو گیا۔"

"ہاں! یہی دیکھنا ہے۔ آپ کے بیٹے کے جسم پر کوئی ایسا نشان جو ہماری مدد کر سکے۔"

"اوہ ہاں! خوب یاد دلایا۔ میرا خیال ہے، میں ایک ایسا نشان بتا سکتا ہوں۔"

"حیرت ہے۔ آپ کو یہ بات پہلے کیوں یاد نہیں آئی۔"

"بس پریشانی ہی ایسی رہی۔ اور پھر بیس سال پہلے بیٹے کو خود سے جدا کر دیا تھا۔ خیر۔ اس کے دائیں گھٹنے پر ایک چوٹ کا نشان ہے۔ اس چوٹ کی وجہ سے گھٹنا بالکل نیلا ہو گیا تھا اور پھر یہ نشان ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ آج بھی اسی طرح نیلا ہو گا۔"

"ویری گڈ۔ آئیے ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ کوٹھی میں آئے۔ خاور کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"چند نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔ جن کی بنیاد پر آپ کو بھی چیک کرنا پڑ رہا ہے۔ امید ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے۔" انھوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ۔ آپ ذرا اپنا دایاں گھٹنا دکھا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"دایاں گھٹنا۔ کیوں۔ وہاں کیا خاص بات ہے۔"

"بس آپ دکھا دیں۔"

اس نے پتلون اوپر کر دی۔ انھوں نے دیکھا۔ وہاں کوئی نیلا نشان نہیں تھا۔

"کہیں گھٹنا بایاں نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید کرنل جاودانی کی طرف مڑے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ لیکن پھر بھی بایاں گھٹنا بھی دیکھ لیتے ہیں۔ بیٹے بایاں گھٹنا بھی دکھا دو۔" کرنل جاودانی بولے۔

"پتا نہیں، کیا چکر ہے۔ خیر یہ لیجیے۔"

یہ کہ کر اس نے بایاں گھٹنا بھی دکھا دیا۔ وہاں بھی کوئی نیلا نشان نہیں تھا۔ اب تو ان کی حیرت بڑھ گئی:

"یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"ابھی کوئی بات نہ کریں۔ پہلے ہم اس دوسرے کو دیکھ لیں۔ آئیے۔"

وہ انھیں لے کر اپنے گھر پہنچے۔ یہاں حالات جوں کے توں تھے۔ وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"مسٹر خاور ۔ کرنل صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں ۔ انہیں ایک بات یاد آئی ہے ۔ آپ ذرا اپنا دایاں گھٹنا دکھائیں گے :"

"جی ۔ کیا مطلب ؟"

"مطلب بعد میں ۔ پہلے آپ ذرا گھٹنا دکھائیں :"

اس نے دایاں گھٹنا ننگا کر دیا ۔ وہاں کوئی نیلا نشان نہیں تھا ۔

"اب ذرا بایاں گھٹنا بھی دکھا دیں :"

"چکر کیا ہے ؟"

"آپ چکر کے چکر میں نہ پڑیں ۔ گھٹنا دکھائیں :"

اس نے بائیں گھٹنے پر سے کپڑا ہٹا دیا ۔ وہاں بھی نشان نہیں تھا ۔ اب تو مارے حیرت کے ان کا برا حال ہو گیا ۔ وہ خاور کو حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر باہر نکل آئے ۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" کرنل صاحب بولے ۔

"ہو سکتا ہے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ نشان مٹ گیا ہو ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ۔ لیکن ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ یہ نشان ساری زندگی نہیں جائے گا :"

کرنل صاحب نے منہ بنا کر کہا :

"ڈاکٹر کا کہنا غلط ہو سکتا ہے ۔ یا پھر ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے :"

"اور وہ کیا ؟"

"یہ کہ یہ دونوں ہی نقلی ہوں :"

"جی ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ بیس سال تک میں خطوط موصول کرتا رہا ہوں اور خطوط ارسال کرتا رہا ہوں ۔ میں نے اپنے منیجر کی پوری ٹیم کا خرچ بیس سال تک بیرون ملک میں برداشت کیا ہے ۔ میرے گھر میں اس وقت جو نوجوان ہے ۔ اگر وہ بھی نقلی ہے تو اس کا مطلب جانتے ہیں کیا ہو گا ۔ نہ صرف منیجر صاحب مجھے دھوکا دے رہے ہیں ، بلکہ پروفیسر ٹھیا بھی دھوکا دے رہے ہیں :"

"میں سمجھتا ہوں ، لیکن آپ ہی بتائیں ۔ ہم اور کیا اندازہ لگا سکتے ہیں :"

"صرف اور صرف یہ کہ میرے گھر میں جو نوجوان ہے ، وہ اصلی خاور ہے اور یہ نقلی ۔ قاتلانہ حملہ اسی پر ہوا ہے ، نہ کہ اس پر :"

"آپ بھول رہے ہیں ۔ آپ کا کلرک بھی بے ایمان

”اب ہو چکا ہے۔ اسے بھی کسی نامعلوم آدمی نے خرید لیا
“ہاں! یہ بات بھی ہے۔”
“اور اس کا بالکل صاف مطلب یہ ہے کہ یہ چکر بر سال سے ہی چل رہا ہے۔”
عین اس وقت خاور جاودانی کے کمرے سے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ اس کی طرف دوڑ پڑے۔

اس کی غلطی

وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو اسے فرش پر پڑا پایا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اور وہ بے ہوش نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ مارے حیرت کے انسپکٹر جمشید کا بُرا حال ہو گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی منہ کھولے کے کھولے رہ گئے۔ یہ ان کا گھر تھا۔ کوئی باہر سے آ کر ان کے مہمان پر حملہ کرے اور انھیں پتا نہ چلے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا اور خود بخود یہ شخص اپنے سر پر کوئی چیز مار کر اپنے سر کو زخمی کر نہیں سکتا تھا۔ اگر اس نے ایسا کیا تھا تو پھر یہ حیرت انگیز طور پر دلیر آدمی تھا۔

انھوں نے فوری طور پر کمرے کی چیزوں کا جائزہ لیا۔ اس کے پاس ہی فرش پر شیشے کا ایک پیپر ویٹ پڑا نظر آیا۔ اس سے ظاہر تھا۔ یہ پیپر ویٹ اس کے سر پر

مارا گیا تھا — کمرے کی کھڑکی کھلی تھی — اور یہ کھڑکی
پائیں باغ کی طرف کھلتی تھی — گویا کسی نے پائیں باغ میں
داخل ہو کر یہ حملہ کیا تھا، لیکن ایسا کرنا بھی ان کے
خیال میں آسان کام نہیں تھا — ان کے گھر کے پائیں باغ
میں بھی صدر دروازے کے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا
تھا، تاہم وہ اس بات کا جائزہ لینے پر مجبور تھے —
سب سے پہلے انھوں نے زخمی کی آنکھوں کے پپوٹے
اُٹھا کر یہ اندازہ لگایا کہ وہ واقعی بے ہوش ہے — یا
جھوٹ موٹ بے ہوش بنا ہوا ہے — پتلیوں میں کوئی
حرکت محسوس نہ ہوئی — اب انھوں نے جلدی جلدی اس
کے سر پر پٹی باندھی، ڈاکٹر کو فون کیا اور خود پائیں باغ
میں داخل ہوئے — پورے پائیں باغ کا جائزہ لیا گیا —
لیکن کسی حملہ آور کے اندر داخل ہونے کے قطعاً کوئی
آثار نظر نہ آئے۔

"میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس پر
کسی نے حملہ نہیں کیا" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا مطلب — کیا اس نے خود وہ پیپر ویٹ اپنے
سر پر دے مارا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا"

"ہاں! یہی بات ہے — اس کے سوا کچھ کہا ہی نہیں

جا سکتا"

"لیکن اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی" محمود کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"خود کو اصلی ثابت کرنے کے لیے"

"اوہ — تو کیا اس کی طرف بھی اشارہ صرف اسی لیے کیا گیا تھا"
[illegible]زل صاحب نے کہا

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے — [illegible]زل صاحب —
آپ اس بات کو لکھ لیں — یہ دونوں [illegible] ہیں"

"کیا — نہیں"

"اس جملے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے — دراصل [illegible]
سے بڑی غلطی ہوئی — اس بے چارے کو ہمارے گھر
کے بارے میں کیا پتا — اپنے گھر سے صرف ہم واقف
ہیں — کوئی اور نہیں — ہمارے گھر میں کوئی اس طرح
داخل ہو جائے کہ ہمیں محسوس نہ ہو — یہ نہیں ہو سکتا
پہلے ایسا ہو جاتا تھا — لیکن اب ہم نے گھر کی حفاظت
کے انتظامات کر رکھے ہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا —
لہذا میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بھی فراڈ ہے
اور وہ بھی — یہ حملہ بھی نقلی تھا اور وہ حملہ بھی — آپ
کا کلرک بھی دھوکے باز ثابت ہو چکا ہے — اور اب

میجر اور پروفیسر ٹھینا بھی بے ایمان ثابت ہوتے صاف نظر آ رہے ہیں — کیونکہ گھٹنے پر نیلا نشان نہ وہاں تھا نہ یہاں "تب — پھر — مم — میرا بیٹا کہاں ہے؟" کرنل صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

محمود فاروق اور فرزانہ کو ہنسی آ گئی — عجیب صورت حال تھی — سب سے پہلے وہ اس چکر میں تھے کہ اصلی خاور جاوید کون ہے — اب دونوں نقلی ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے تو ان کے سامنے یہ سوال ہوا بن کر کھڑا ہو گیا تھا کہ کرنل صاحب کا بیٹا پھر کہاں ہے — لیکن اس سوال کا جواب انسپکٹر جمشید نے فوراً دیا:

"آئیے میرے ساتھ — میں بتاؤں گا — آپ کا بیٹا کہاں ہے — ویسے میں زیادہ پُر اُمید نہیں ہوں — یہ بات بھی ذہن میں رکھیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں! میں زیادہ پُر اُمید نہیں ہوں — اس لیے کہ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"کس لیے کہ کیا؟" کرنل بوکھلا کر بولے۔

"اس لیے کہ — میرے خیال میں آپ کے بیٹے کو ان لوگوں نے آج سے بیس سال پہلے اغوا کیا ہوگا۔"

"نن — نہیں — نہیں" وہ چلائے۔

"یہ صرف میرا خیال ہے — اور مجھے یہ امید بھی ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ثابت ہو سکتا ہے — لہذا آپ حوصلہ رکھیں — اللہ سے اُمید رکھیں۔"

"لیکن اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"اب وقت آ گیا ہے — ان لوگوں سے سب کی بے ایمانیوں کا حساب لیا جائے۔"

"آپ کا مطلب ہے پروفیسر صاحب اور میجر سے۔"

"ہاں!" وہ بولے۔

وہ وہاں سے پھر کرنل صاحب کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچے — دروازے پر انھیں ایک بوڑھا آدمی اور ایک نوجوان آدمی کھڑے نظر آئے — گھر کا ملازم ان سے کچھ بات کر رہا تھا — انجن کی آواز سن کر ملازم اس کی طرف دوڑ پڑا — پھر اس نے دروازہ پورا کھول دیا — وہ دونوں ایک طرف کھڑے ہو گئے — گاڑی جب ان کے سامنے سے گزرنے لگی تو بوڑھے نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے:

"یہ تو وہی بوڑھا ہے — ایک منٹ۔" کرنل نے ان سے کہا۔

انھوں نے گاڑی روک دی — کرنل نے سر قدرے

باہر نکال کر کہا:

"کیا بات ہے بڑے میاں؟"

"ہر ماہ آپ کی خدمت میں پہلی تاریخ کو حاضر ہوتا ہوں۔ شاید آج آخری بار آیا ہوں — اب میرے بیٹے کا آخری سال ہے — صرف امتحان کا داخلہ جانا باقی ہے — پھر یہ ڈاکٹر بن جائے گا — اور ایسا صرف آپ کی مہربانی سے ہو سکا — میں آج تک بیٹے کو اپنے ساتھ نہیں لایا تھا لیکن آج اس نے ساتھ آنے کی ضد کی — اس کا کہنا ہے کہ یہ بھی اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے، جن کی وجہ سے وہ آج ایک ڈاکٹر بن رہا ہے۔"

"ارے اس کی ضرورت نہیں — یہ لیں — داخلہ بھجوا دیں۔" کرنل صاحب نے جیب سے پرس نکال کر کہا۔

"کرنل صاحب — آپ کا شکریہ ادا نہ کرنا زیادتی ہو گی — آپ انسان نہیں، فرشتہ ہیں۔" نوجوان نے روتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بھئی — مجھے انسان ہی رہنے دو — انسان بننا بہت مشکل ہے — اس وقت تو میں ذرا پریشان ہوں، آپ یہ رقم بھجوائیں — امتحانات کے بعد آئیے گا — پھر آپ کی خدمت کی بھی کوشش کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" نوجوان نے کہا۔ انھوں نے اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آنسو دیکھے۔

"چلیے جمشید صاحب۔" کرنل صاحب بولے۔

نوجوان اور اس کا بوڑھا باپ جانے کے لیے مڑ گئے — ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک منٹ بڑے میاں۔"

دونوں چونک کر رک گئے اور ان کی طرف دیکھنے لگے:

"جی فرمائیے۔"

"آپ کے بیٹے کون سے میڈیکل کالج میں پڑھتے ہیں؟"

"گورنمنٹ میڈیکل کالج میں۔" لڑکے نے خود جواب دیا۔

"آپ کا نام؟"

"جی میں — میں شاکر جلالی ہوں۔"

"آپ اپنا کارڈ دکھانا پسند کریں گے۔"

"کیا مطلب؟" دونوں نے چونک کر کہا۔

"میں نے کہا ہے — آپ اپنا کارڈ دکھانا پسند کریں گے۔"

"لیکن کیوں — ایسی بات تو آج تک کرنل صاحب نے بھی نہیں کہی۔" بوڑھے نے کہا۔

"ان کی بات اور ہے — میری اور — کارڈ دکھائیں۔"

نوجوان نے کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا — وہ

غور سے کارڈ کا معائنہ کرنے لگے، پھر اس کا نمبر وغیرہ نوٹ
کیا اور کارڈ واپس دیتے ہوئے بولے:

"آج کل بہت دھوکے بازیاں ہیں — میں چیک کرنا چاہتا
ہوں — یہ نوجوان کیا واقعی میڈیکل کالج میں پڑھتا رہا
ہے اور اب آخری سال کا امتحان دے رہا ہے۔"

"ضرور جناب — کیوں نہیں۔ اگر ہم دھوکے باز ثابت
ہو جائیں تو آپ ہمیں گرفتار کرا دیجیے گا — یہ میرے گھر
کا پتا بھی نوٹ کر لیں۔" یہ کہہ کر بوڑھے نے اپنا شناختی
کارڈ نکال کر ان کے سامنے کر دیا — انھوں نے اس
کارڈ پر سے بھی پتا نوٹ کر لیا۔

اب گاڑی آگے بڑھائی اور وہ جاتے نظر آئے:

"میرے خیال میں یہ دونوں فراڈ نہیں ہیں — نہ جانے
کتنے سالوں سے یہ ہر ماہ آ کر اپنے بیٹے کی تعلیم کا خرچ
لے جا رہا ہے۔"

"یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ فراڈ نہیں ہے۔"

"پھر بھی میرا دل نہیں مانتا۔"

"آپ کا دل تو آج سے پہلے اپنے مینجر اور اپنی
لڑکی کو بھی بے ایمان نہیں مانتا تھا:"

ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا — آخر وہ خود

داخل ہوتے:

"مینجر صاحب کہاں ہیں؟"

"شاید پروفیسر صاحب کے کمرے میں ہوں گے۔" ملازم بولا۔

"اب ہمیں دبے پاؤں آگے بڑھنا ہے — ذرا دیکھیں تو
سہی، وہ کیا باتیں کر رہے ہیں:"

"ہوں! ٹھیک ہے۔" کرنل بولے۔

وہ پروفیسر ممینا کے دروازے سے جا لگے — اندر
دبی آواز میں باتیں ہو رہی تھیں، لیکن جہاں فرزانہ کے
کان موجود ہوں، وہاں دبی آوازیں بھی سنی جا سکتی ہیں —
فرزانہ بغور ان آوازوں کو سننے لگی — پھر انھیں اس دروازے
سے ذرا فاصلے پر لے آئی اور اس نے بتایا:

"دونوں اپنے اس منصوبے کی کامیابی اور ناکامی کی
بات کر رہے ہیں — ان کا کہنا ہے، دو میں سے ایک
کو تو اصلی خاور مانا جائے گا — دو خاوروں والا منصوبہ
پروفیسر ممینا کا تھا، جب کہ مینجر اس کی کوئی ضرورت محسوس
نہیں کرتا تھا — لیکن پروفیسر کا کہنا تھا کہ جب مقابلے
میں ایک نقلی خاور بھی ہوگا تو ذرا مزا رہے گا اور
اس کے بعد جب ان میں سے کسی ایک کو اصلی مان
لیا جائے گا تو یہ خطرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے

گا کہ کبھی اس کے نقلی ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں کر سکے گا۔ بہرحال یہ دونوں خاور ہی بالکل نقلی ہیں۔ اصلی خاور کون ہے، کہاں ہے۔ کچھ پتا نہیں۔ اس کا انھوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"دیکھا آپ نے کرنل صاحب۔ ایک جھوٹے نجومی کی جھوٹی بات کی خاطر آپ نے اپنے جان سے زیادہ پیارے بیٹے کو بیس سال تک اپنے آپ سے دور رکھا، آپ نے تو ایک جھوٹے نجومی کی بات پر اعتبار کر لیا — ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو کسی بھی قسم کے نجومی یا عامل۔ جھاڑ پھونک کرنے والوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر آپ پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم سے روشناس ہوتے تو کبھی اس قسم کے لوگوں کے جال میں نہ آتے — اب آپ کے بیٹے کا انھوں نے کیا کیا تھا۔ اس خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ چلیے ہم ان سے دو دو باتیں کریں۔"

وہ بس کر کے دروازے پر آ گئے۔ محمود نے دستک دی۔ جونہی دروازہ کھلا، دونوں حیران سے رہ گئے۔

"ارے آپ لوگ۔ خیریت تو ہے؟" پروفیسر نے کہا۔

"نہیں۔ خیریت نہیں ہے۔ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیسی گڑبڑ؟" منیجر نے چونک کر کہا۔

"خاور نمبر دو پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"اوہ!" دونوں کے منہ سے نکلا۔

"آپ لوگوں سے ایک سوال ہے ہمارا۔ یہ کہ اصلی خاور کون ہے؟"

"جی۔ کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

وہی شخص

پروفیسر ٹھینا تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"ارے ارے — یہ انھیں کیا ہوا؟" کرنل بولے۔

"شاید بے ہوشی کا دورہ پڑ گیا ہے — ان پر اس قسم کے دورے پہلے بھی پڑتے رہتے ہیں۔" منیجر نے کہا۔

محمود نے جھک کر ان کی آنکھ پر سے پپوٹا اٹھا کر دیکھ۔ پتلی میں کوئی حرکت نظر نہ آئی — وہ واقعی بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا گیا۔

"خیر — ان کے لیے تو ہم ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں — آپ ہمارے سوال کا جواب دے دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں، لیکن ان کے لیے ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں — اس لیے کہ تھوڑی دیر بعد یہ خود ہی ہوش میں آ جاتے ہیں۔"

"خیر — آپ بتائیں، اصل نادر کون ہے؟"

"وہی جو یہاں موجود ہیں، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" منیجر نے کہا۔

"تو پھر جو ہمارے پاس ہے — وہ کون ہے؟"

"وہ کوئی دھوکے باز ہوگا۔"

"خیر — پہلے ہم پروفیسر ٹھینا کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں گے۔"

پندرہ منٹ بعد پروفیسر ٹھینا ہوش میں آ گیا۔

"ہاں پروفیسر صاحب — آپ بتائیں — اصل نادر کون ہے؟"

"وہی جو یہاں موجود ہے۔"

"اور جو ہمارے ہاں موجود ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"وہ نقلی ہے اور کیا۔"

"تب پھر آپ کو بے ہوش ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ — آپ نے خود کو بے ہوش کیوں کیا تھا؟"

"کیا کہا؟" کرنل صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں۔ ہمارا سوال سنتے ہی انھوں نے اپنی انگوٹھی کو حرکت دی تھی — ضرور اس میں کوئی نوک موجود ہے —

جن کے سرے پر زہر لگا ہوا ہے — اس زہر سے یہ
وقتی طور پر جب چاہتے ہیں، بے ہوش ہو جاتے ہیں
تاکہ دوسروں کے ایسے سوالات سے بچ سکیں، جن کے
جوابات یہ نہیں دے سکتے۔"

"ہوں!" کرنل نے اسے گھورا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا — یہ الزام درست ہے یا غلط؟"

"بالکل غلط — اس انگوٹھی میں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بولا۔

"تب پھر یہ انگوٹھی ذرا اتار کر دکھائیں۔"

اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار نمودار ہوئے —
انگوٹھی تو اسے اتار کر دینا ہی پڑی — انھوں نے
اس کا بغور جائزہ لیا — اس میں واقعی ایک پن نما نوک
ابھری ہوئی تھی — اور اس پر خون کا دھبہ بھی تھا —

"ثابت ہو گیا، آپ نے یہ اپنی انگلی میں چبھوئی
تھی — اور آپ نے خود کو جان بوجھ کر بے ہوش کیا تھا۔
آپ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی — اگر آپ کے دل
میں کوئی چور نہیں ہے۔"

"چور — کیسا چور؟"

"اب آپ اس کہانی کو ختم کر دیں — اور حقیقت بتا
دیں — ہم یہ بات جان چکے ہیں کہ یہ دونوں کے دونوں

بالکل نقلی ہیں — سو فی صد نقلی۔"

"نہیں — یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"اس طرح کہ اصلی خاور کے دائیں ٹخنے پر ایک نشان
موجود تھا — جو کہ ان دونوں کے ٹخنوں پر نہیں ہے۔"

"نہیں — نہیں۔"

"آپ کے نہیں یا ہاں کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا —
ڈاکٹر نے اس نشان کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ نشان
کبھی نہیں جائے گا۔"

ان دونوں پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔

"آپ لوگوں سے صرف ایک سوال — اور وہ یہ کہ —
اصلی خاور کہاں ہے، جب تک آپ اس سوال کا
جواب نہیں دے دیتے — اس وقت تک آپ کی جان
عذاب میں رہے گی۔"

"نہیں — نہیں۔"

"ان دونوں کو اب کمرۂ امتحان میں لے جانا ہو گا۔
یہ دونوں عادی مجرم تو ہیں نہیں — یہ تو ویسے ہی سچ
فرفر بولنے لگیں — محمود اکرام کو فون کرو۔"

"نہیں — نہیں — آپ ایسا نہ کریں — ہم نے ان
کے بیٹے کو یتیم خانے میں داخل کروا دیا تھا۔"

میں کہا — کون ہے یتیم خانے میں؟

اسی شہر کے یتیم خانے میں اور آپ کے بیٹے کی جگہ ہم یہ دو بچے بیرون ملک لے گئے تھے — بیس سال تک بیرون ملک تمام تر اخراجات لے کر وقت گزارنا کچھ برا کام تو نہیں تھا — عیش ہی عیش کرنا تھی — ساتھ ہی ہم نے سوچا تھا — اب کرنل صاحب تو بیس سال بعد کہیں جا کر اپنے بیٹے کو دیکھیں گے، لہذا ہم جس بچے کو بھی ان کے سامنے بیٹے کے طور پر پیش کریں گے، وہ اسے ہی اپنا بیٹا تسلیم کریں گے۔ احتیاطاً ہم نے دو بچے بیرون ملک بھیج دیے — تاکہ دو بچوں کو واپس لا کر الجھن پیدا کی جائے اور ان میں سے ایک کو بہرحال ان کا بیٹا ثابت کر دیا جائے — تاکہ پھر یہ جھگڑا کبھی نہ اٹھ سکے۔

اب یتیم خانے کا بیس سال پرانا ریکارڈ دیکھنا پڑے گا — بہرحال پہلے انہیں سرکاری مہمان خانے میں پہنچا دینے کا اور دونوں نقلی شہزادوں کو بھی — اس کے بعد ہم اصلی کی تلاش میں نکلیں گے۔

اف — خدا — میرا بیٹا — یتیم خانے میں پلتا رہا — اور دوسروں کے بچے میری دولت پر بیرون ملک عیش کرتے

رہے — یا اللہ رحم۔

یہ سب آپ کی غلط اعتقادی کا نتیجہ ہے — آپ نے اللہ پر بھروسا کب کیا تھا — آپ نے تو صرف اور صرف اس نجومی پر اعتبار کیا تھا — حالانکہ ہر چیز تو اللہ کے اختیار میں ہے — ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں — کہ پوری دنیا کے سب جمع ہو کر بھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، جب تک کہ اللہ نہ چاہے — اور پوری دنیا کے انسان مل کر بھی کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، جب تک کہ اللہ نہ چاہے — اگر آپ یہ عقیدہ رکھتے تو کبھی کسی نجومی کی باتوں میں نہ آتے — ہم نے پہلے بھی تو آپ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی — لیکن آپ نے ہماری باتوں پر کان نہیں دھرے — اب نتیجہ دیکھ لیں — بیس سال تک آپ کے بیٹے نے نہ جانے کس حالت میں زندگی گزاری ہو گی اور نہ جانے اب وہ کس حال میں ہو گا۔

اف مالک — یہ — یہ میرے ساتھ کیا ہوا — کیا ہو رہا ہے — اب میرا بیٹا کس طرح ملے گا۔

آپ سچے دل سے اپنے اللہ سے توبہ کریں — ہم سچے دل سے اسی کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ کسی طرح آپ کا بیٹا مل جائے — ہم ابھی اور اسی وقت یتیم خانے

جا رہے ہیں — آپ وہ تاریخ تو بتا سکتے ہیں جب آپ
ے بچے کو اپنے آپ سے الگ کیا تھا؟"
"ہاں بالکل، لیکن فائل میں دیکھ کر بتا سکوں گا۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔
انھوں نے فائل منگوا لی — اور اس میں تاریخ دیکھ کر
بتایا کہ ۵ فروری کے دن بچے کو ان کے حوالے کر دیا تھا —
"آپ اللہ کے حضور میں جھک جائیں — گڑگڑا کر اپنے رب
سے معافی مانگیں — آؤ بھئی چلیں۔"
وہ یتیم خانے پہنچے — بیس سال پرانا ریکارڈ نکلوایا —
اس روز وہاں صرف ایک بچہ جمع کروایا گیا تھا — رجسٹر میں
درج تھا کہ اس بچے کو ایک آدمی نے گود لے لیا تھا —
اس آدمی کا پتہ نوٹ کر کے وہ وہاں پہنچے — دستک دی — ایک
ادھیڑ عمر آدمی نے دروازہ کھولا:
"جی فرمائیے۔"
"آپ کا نام؟"
"میرا نام — میرا نام کرم شاہ ہے۔"
"لیکن پہلے تو یہاں تنویر خان نامی آدمی رہتا تھا۔"
"پتا نہیں کب کی بات ہے — یہ مکان کرائے کا
ہے — ہو سکتا ہے — پہلے کبھی تنویر خان نام کا آدمی

بھی یہاں رہا ہو۔"
"اوہ — یہ تو بہت برا ہوا۔"
"بات کیا ہے؟"
انھوں نے بات بتائی —
"آپ کو اس سلسلے میں مالک مکان سے ملنا چاہیے —
اس نے ایک رجسٹر بنا رکھا ہے — وہ اپنے کرائے داروں
کا پورا ریکارڈ رکھتا ہے۔"
"لیکن وہ یہ تو نہیں بتا سکتا کہ وہ مکان چھوڑ کر
کہاں گیا ہوگا۔"
"ہاں — شاید وہ یہ نہ بتا سکے — لیکن پھر بھی آپ
اس سے مل لیں۔"
"اچھی بات ہے۔"
اور وہ مالک مکان کے پاس گئے — اس سے اپنا
مسئلہ بیان کیا — اس نے رجسٹر نکالا اور تنویر خان کا نام
تلاش کیا — اس نے بتایا کہ واقعی ان تاریخوں میں اس
نام کا آدمی کرائے دار تھا، لیکن وہ صرف ایک سال
بعد مکان چھوڑ کر چلا گیا تھا —
"اوہ — کیا آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ یہاں سے کہاں
گیا تھا؟"

"نہیں — میں صرف اس کا حلیہ بتا سکتا ہوں، کیونکہ اس کا حلیہ یہاں درج ہے۔"

"چلیے — حلیہ ہی بتا دیں۔"

"اس کا چہرہ بالکل گول تھا — آنکھیں بھی گول — ناک موٹی سی — سر کے بال بہت زیادہ سیاہ، قد لمبا — اور ناک پر ایک بڑا سا ابھرا ہوا تل — سیاہ رنگ کا۔"

"کیا کہا؟" فرزانہ نے چلا کر کہا۔

"کیوں — کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"بالکل یہی حلیہ — ابھی کچھ دیر پہلے ہم دیکھ چکے ہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"اوہ ہاں! واقعی۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"تت — تمہارا مطلب ہے — یہ حلیہ اس شخص کا ہے جو ننھے بچے کے داخلے کے لیے رقم لینے آیا تھا اور جو ہر ماہ اس کی تعلیم کے اخراجات کرنل صاحب سے وصول کرتا رہا ہے۔"

"ہاں" فاروق نے پرزور انداز میں کہا۔

"میں نے اس کے حلیے پر غور نہیں کیا تھا — اور یہ میری غلطی تھی — خیر اس کا پتا میں نے نوٹ کر لیا تھا — ہم ابھی اسے دیکھ لیتے ہیں۔"

"تب پھر میں بھی ساتھ چلوں گا۔" کرنل صاحب بولے۔

"ضرور کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور وہ اسی وقت اس پتے پر پہنچے۔ دستک دی تو اسی آدمی نے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھ کر مارے حیرت کے اچھل پڑا —

ادھر وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے — یہ بالکل وہی حلیہ تھا — جو مالک مکان کے رجسٹر میں درج تھا —

نقلی یا اصلی

"اف مالک! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں"، کرنل نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے، کرنل صاحب، خیر تو ہے؟"

"وہ بچہ کہاں ہے — جس کی تعلیم کے لیے..." کرنل کہتے کہتے رک گئے — ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"وہ بچہ — میرا بیٹا اندر ہے، لیکن بات کیا ہے؟"

"اسے بلائیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بیٹا تنویر — ذرا باہر آنا۔"

"نہیں — بلکہ ہم اندر بیٹھیں گے — بیٹھ کر بات کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اوہ اچھا — میں کمرے کا دروازہ کھولتا ہوں۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئے — ادھر نوجوان اندر داخل ہوا — وہ حیرت بھری نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ — یہ تو وہ کرنل صاحب ہیں نا ابو؟" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں بیٹا — لیکن میں نہیں جانتا — بات کیا ہے۔"

"کیا یہ آپ کا اپنا بیٹا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے اس سے پوچھا۔

"کیا مطلب — یہ کیسا سوال ہوا بھلا" وہ حیران ہو کر بولا۔

"اگر یہ آپ کا اپنا بچہ ہے — تب تو ٹھیک ہے — لیکن اگر آپ اس بچے کو یتیم خانے سے لائے تھے تو اور بات ہے۔"

"جی — کیا کہا — اور بات ہے — کیا اور بات ہے؟"

"اس کے والدین اس کے لیے بہت بے قرار ہیں۔"

"لیکن انھوں نے اسے یتیم خانے میں کیوں داخل کیا تھا؟"

"یہ ظلم ہم نے نہیں — کچھ اور لوگوں نے کیا تھا۔"

"ہم نے — آپ کا مطلب ہے — یہ آپ کا بچہ ہے؟" وہ آدمی اچھل پڑا۔

"ہاں تنویر خان — یہ میرا اپنا بچہ ہے — بیس سال میں اس سے جدا رہا — یہ کہانی بھی اس قدر انوکھی ہے — آپ سب میرے گھر چلیں — وہاں چل کر میں ساری کہانی سنا دوں گا اور اس کہانی کے جو مجرم ہیں — ان سے بھی آپ لوگوں کو ملوائیں گے۔"

"ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا — یہ کیا چکر ہے؟"

"آپ صرف ایک بات بتا دیں — آپ اسے یتیم خانے سے لائے تھے؟"

"ہاں! یہ تو خیر ہے — میں اسے یتیم خانے سے ہی لایا تھا۔"

"بس ہمارے لیے یہی کافی ہے۔"

اب وہ انھیں ساتھ لیے کوٹھی پہنچے — انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا کہ بیگم اور پروفیسر ٹھینا کو بھی وہاں لے آئے — جلد ہی وہ بھی پہنچ گئے —

"کیا خیال ہے — اب ان لوگوں کو ساری کہانی سنائی جائے؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں — سب یہی تو جمع ہوئے ہیں۔"

"تب پھر یہ کہانی آپ سنائیں گے۔" انھوں نے کرنل سے کہا —

"ہم — میں — یعنی کہ میں کہانی سناؤں؟"

"ہاں! جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا ہے — سنا ڈالیں۔"

"یہی بات ہے۔"

کرنل صاحب نے اپنے ہاں بچے کے پیدا ہونے، پھر صرف تین سال بعد [illegible] پروفیسر [illegible] کے کہنے پر بچے کو اپنے

سے دور کرنے اور بیرون ملک بھیجنے کے تمام واقعات تفصیل سے سنائے — بیس سال کے دوران جو کچھ ہوتا رہا، وہ بھی سنایا — یعنی خطوط اور تصاویر کا آنا جانا — پھر دو خاوروں کا بیس سال بعد آنا — ایک کا اغوا کیا جانا — پھر ایک کروڑ کا ہیرا دے کر اسے چھڑا کر لانا — اور پھر دوسرے نوجوان کا واپس آنا — پھر یہ سوال پیدا ہونا کہ ان میں اصلی کون ہے اور نقلی کون — اور آخر میں انسپکٹر جمشید کا ان دونوں کو ہی نقلی ثابت کرنا — پھر یہ سوال ابھرنا — کہ پھر آخر اصلی کہاں ہے — بیگم اور پروفیسر سے معلوم ہونا کہ انھوں نے اسی کو یتیم خانے میں داخل کرا دیا تھا — اس طرح ان کا یتیم خانے جانا — وہاں سے اس آدمی کا پتا معلوم کرنا — جو بچے کو لے گیا تھا — مالک مکان سے اس کا حلیہ معلوم کرنا — اب چونکہ اسے وہ دیکھ چکے تھے — لہٰذا فوراً ذہن میں بات کا آنا کہ یہ تو کس شخص کا حلیہ ہے — اور اس طرح وہ اس تک پہنچے —

کرنل صاحب نے اپنی کہانی ختم کر کے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا —

"ٹھیک ہے — آپ نے بالکل درست انداز میں واقعات سنائے — اب آپ کیا کہتے ہیں تنویر خان؟"

"اس کہانی کا مطلب تو پھر یہ ہے کہ آپ کا بیٹا
در اصل میرے گھر میں پلتا رہا ہے، لیکن اپنے باپ
کے خرچ پر ہی۔"

"ہاں - یہی بات ہے۔"

"اُف مالک - یہ کیا کھیل ہیں تیرے - میرے بچے -
اپنے اصل باپ سے ملو - میں تو تمہارا جھوٹ موٹ کا
باپ ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو
آ گئے -

"میں - میں کیا کروں - میرا تو دماغ گھوم رہا ہے۔"

"آؤ بیٹا، میرے گلے لگ جاؤ۔"

نوجوان اٹھا اور کرنل صاحب کی طرف بڑھا۔

"ایک منٹ کرنل صاحب۔" انسپکٹر جمشید پُراسرار انداز میں مسکرائے

"کیا مطلب - اب کیا بات ہے؟"

"ابھی ہم نے ایک خاص چیز چیک نہیں کی - نوجوان،
آپ ذرا اپنے دائیں گھٹنے پر سے کپڑا ہٹائیں۔"

"کیا مطلب - اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"تاکہ معلوم ہو سکے - آپ بھی اصلی ہیں یا نقلی۔"

"کیا مطلب - بھلا میں کس طرح نقلی ہو سکتا ہوں -
حالانکہ ابھی ہم سب نے یہ کہانی سنی ہے - اور اس کہانی

نے یہ بات ثابت کی ہے - کہ میں ہی کرنل صاحب
کا بیٹا ہوں۔"

"ہاں! بے شک - کہانی نے یہ بات ثابت کی ہے،
لیکن آپ اس کہانی کے مجرموں کو نہیں جانتے - میرا مطلب
ہے، ان کی عقل کو نہیں پہنچ سکتے - لہٰذا دایاں گھٹنا
تو آپ کو دکھانا ہو گا۔"

"آخر کس لیے؟"

"آپ اس بات کو چھوڑیں - وہ کپڑا اوپر کریں۔"

آخر اسے کپڑا اوپر اٹھانا پڑا - سب نے دیکھا -
وہاں نیلا نشان موجود تھا -

"اُم - میرا بچہ - اُف - اُف۔"

انھوں نے چلا کر کہا اور پھر دونوں ایک دوسرے
کے گلے سے اس طرح چمٹ گئے، جیسے اب کبھی جدا
نہیں ہوں گے -

"آؤ میرے بچے آؤ - اپنی ماں سے ملو - میں نے خود
پر اور تم پر تو ظلم کیا ہی تھا - اصل ظلم تو اس ماں پر
ہوا ہے - جس کا بیٹا بیس سال تک دور رہا - وہ دکھ
بھی اس حال میں کہ ہماری امداد پر پلتا رہا۔"
انھوں نے جذباتی انداز میں کہا اور نوجوان کو لے

کر اندر جانے لگے۔

"ایک منٹ کرنل صاحب۔ ابھی یہ بات ثابت نہیں ہو سکی۔ کہ یہ واقعی وہ نوجوان ہے، جسے یتیم خانے سے لایا گیا تھا۔"

"کیا مطلب۔ اب اس میں کیا شک رہ گیا ہے۔" کرنل صاحب نے جھلا کر کہا۔

"جلدی نہ کریں۔ بات کو بالکل صاف ہو جانے دیں۔"

"تو اب صاف ہونے کے لیے کیا کسر رہ گئی ہے؟"

"میرے خیال میں کسر رہ گئی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"آخر کیسے؟"

"فرض کریں۔ اس شخص کو۔ یعنی تنویر خان کو اس سارے منصوبے کا علم تھا۔ چنانچہ اس کے تحت یہ یتیم خانے گئے اور وہاں سے آپ کے بیٹے کو لے آئے۔ اب اس کا نام پتا وہاں درج ہو گیا۔ یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ بیس سال بعد جب بھی اس بچے کی تلاش شروع ہو گی۔ تلاش کرنے والے اس تک پہنچ جائیں گے۔ تو اس شخص نے کیا کیا ہو گا۔ ذرا غور کریں۔"

"کیا کیا ہو گا۔ آپ سب کو الجھا کیوں رہے ہیں؟"

"اس شخص نے مینجر اور پروفیسر صاحب سے بھی دو قدم

آگے ایک منصوبہ بنایا ہو گا۔"

"کیا۔" وہ چلائے۔

"ہاں جناب۔ اس کا ہر ماہ چندہ دینے کے لیے یہاں آنا اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ یہ اس کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ تاکہ اس کی شکل کرنل صاحب دیکھ لیں۔ اور جب تلاش کے دوران اس کا حلیہ بتایا جائے تو اس کا چہرہ ان کی آنکھوں میں گھوم جائے۔ یہی گھومتا تو جب یہ آئندہ آتا تو کرنل صاحب ضرور جان جاتے کہ یتیم خانے سے جو شخص بچے کو لے گیا تھا۔ وہ تو یہ ہے۔ لہٰذا اس طرح یہ حضرت کسی بھی بچے کو آپ کا بیٹا بنا سکتے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس نے ایسا کیا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ یتیم خانے سے بچہ لا کر ضائع کر دیا گیا ہو گا اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کی پرورش کی گئی۔ اور ساتھ ساتھ یہ کہانی اس کے ذہن میں بٹھا دی گئی ہو گی، کیونکہ جو کہانی ایک شخص بچپن سے سنتا چلا آئے، وہ ذہن میں کس حد تک اپنے نقوش نہیں چھوڑ جاتی ہو گی۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ کیا اس شخص نے میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا؟"

"ہاں! اس نے ایسا ہی کیا تھا — یہ قاتل ہے۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے — ان کی یہ مسکراہٹ محمود، فاروق اور فرزانہ
کو بہت عجیب لگی۔

"نن — نہیں — میں ہرگز قاتل نہیں ہوں۔"

"میں بھی یہی کہتا ہوں — یہ شخص قاتل نہیں ہو سکتا۔"

"آپ میں مشاہدے کی وہ قوت نہیں — جو ہم میں ہے
کرنل صاحب۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ نے تنویر خان کے گھر کی حالت پر غور نہیں کیا،
گھر کی کسی چیز سے بھی غربت نہیں ٹپک رہی — بلکہ اس گھر
میں تو ہمیں دولت مندی کا احساس ہوا تھا — پھر آخر یہ
شخص اپنے بیٹے کے تعلیمی اخراجات آپ سے ہر ماہ کیوں
وصول کرتا رہا ہے۔"

"اوہ!" کرنل صاحب دھک سے رہ گئے۔

تنویر خان کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں تنویر صاحب؟"

"میں — میں قاتل نہیں ہوں — کیونکہ..." اس نے ڈرامائی
انداز میں کہا۔

"کیونکہ کیا؟"

"کیونکہ — اس نوجوان کے گھٹنے پر نشان موجود ہے۔"

"اوہ ہاں، واقعی۔" کرنل صاحب بولے۔

"لیکن — یہ نشان تو نقلی بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید
ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"کیا!!!"

وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

ذہین ترین

"ہاں بالکل — یہ نشان نقلی بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پھر کہا۔

"تب پھر — کیسے معلوم ہو — یہ نوجوان بھی واقعی کرنل صاحب کے بیٹے ہیں یا نہیں۔" محمود نے کہا۔

"میں ایک ماہر کو بلاتا ہوں — اگر یہ نشان نقلی ہے تو وہ ابھی اس کو صاف کر دے گا۔"

"نہیں جناب، یہ نشان نقلی نہیں ہے — اور یہ نوجوان کرنل صاحب کا بیٹا ہی ہے۔" تنویر خان نے کہا۔

"خیر۔ کیے بغیر ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے۔"

"یہی بات ہے — کریں پھر تجربہ۔" تنویر خان نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر انھوں نے نشانات کے ماہر کو فون کیا — جلد ہی وہ ینا بیگ اٹھائے وہاں پہنچ گیا — اس نے نوجوان

کے گھٹنے پر مختلف قسم کے سیال مادے لگائے — پندرہ منٹ تک وہ اپنی کوشش کرتا رہا — آخر اس نے کہا

"نہیں جناب! یہ نشان بالکل اصلی ہے۔"

"اوہ اچھا!" سب کے منہ سے نکلا۔

"اس کا مطلب ہے — یہ میرا نادر ہے — اصلی نادر۔" کرنل صاحب بولے۔

"ہاں! کرنل صاحب — آپ کو مبارک ہو" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

اور وہ نوجوان کو اندر لے گئے۔

"اکرام! ان لوگوں کو حوالات واپس پہنچا دو۔"

"یس سر۔" اس نے کہا اور انھیں لے کر چلا گیا۔

"اب ان کا کیا بنے گا ابا جان — یہ بھی تو بیٹے سے محروم ہوئے ہیں۔" فاروق نے کہا — اس کا اشارہ تنویر خان کی طرف تھا۔

"ابھی انھوں نے ہمیں مطمئن نہیں کیا — مسٹر تنویر خان — آپ اچھے بھلے آدمی ہیں — پھر آخر آپ اس بچے کی تعلیم کے نام پر رقمیں کرنل صاحب سے کیوں لیتے رہے؟"

"آپ — آپ اسے میری لالچ کہہ لیں — شاید میں بہت لالچی ہوں — بہت گھٹیا ہوں — میں چاہتا ہوں — میرے

ہو کر کہا۔

"دیکھیے ۔ تنے عرصے کے بعد تو یہ بچہ ملا ہے ۔ اب آپ تو ضد کر کے ہمارا کام خراب نہ کریں ۔ یہاں بہت جگہ ہے ۔ آپ سب ہمارے ساتھ یہاں رہیں۔"

"اچھی بات ہے ۔ آپ مجبور کرتے ہیں تو یونہی سہی۔" آخر نور خان نے ہتھیار ڈال دیے۔

"شکریہ بھائی صاحب ۔ شکریہ ۔ آپ آج ہی اپنے گھر والوں کو یہاں لے آئیں ۔ کسی قسم کا سامان ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر وہ چلا گیا۔

"میرا خیال ہے ۔ اب ہمارا یہاں کام ختم ہو چکا ہے ، اب ہمیں چلنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے بجھے بجھے سے انداز میں کہا۔

"جی ہاں ! اور کیا ۔ لیکن آپ اُداس کیوں ہیں ۔ ہمیں تو خوش ہونا چاہیے ۔ اصلی مجرم پکڑے گئے ۔ نقلی خاور پکڑے گئے ۔ اصلی خاور مل گیا ۔ اپنے گھر پہنچ گیا ۔ اب اداسی کیسی؟" فاروق نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ۔ آؤ چلیں۔"

ہے یہ سزا کم نہیں کہ بیس سال تک جس بچے کو پالا ۔ اب وہ میرے پاس نہیں رہے گا اور میں اس کے پاس نہیں رہوں گا۔"

"نہیں بابا جان ۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے ۔ آپ سب اب یہیں ہمارے ساتھ رہیں گے۔" نوجوان کی آواز ابھری ۔ وہ کرنل صاحب کے ساتھ اپنی ماں سے ملنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے میرے بچے ۔ یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ رہیں گے ۔ تم پر ان کا بھی حق ہے۔" کرنل صاحب نے کہا۔

"نہیں ! ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے ۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"نہیں نہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ اگر آپ یہاں نہیں رہیں گے تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا ۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"آپ کو خاور کی بات مان لینی چاہیے ۔ ہاں !" کرنل صاحب بولے۔

"نہیں ، ہم یہاں نہیں رہیں گے۔"

"تب پھر میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" اس نے بلند ہو کر کہا۔

"میں ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کرنے والا ہوں، آپ لوگ اس دعوت کے مہمان خصوصی ہوں گے۔ اس دعوت میں میں اپنی تمام جائداد اور نقدی وغیرہ خاور کے نام منتقل کر دوں گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ہم آ جائیں گے۔" وہ بولے۔

وہ وہاں سے نکل آئے۔ انھیں بہت گرم جوشی سے رخصت کیا گیا۔

"ابا جان! آپ تو اب تک اداس ہیں۔"

"ہاں بھئی۔ ہم نے بہت بڑی شکست کھائی ہے۔ اس قدر ذہین مجرم سے شاید پہلی بار میرا واسطہ پڑا ہے۔ گویا وہ مجھے چیلنج کر رہا تھا۔ کہ میں اسے غلط ثابت کر دوں۔ اور میں اسے غلط ثابت کرنے کے قابل نہیں تھا۔"

"کیا مطلب۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ اور شکست کی بات کر رہے ہیں۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ اس کہانی کے اصلی مجرم تو تھے پروفیسر ٹینا ور میجر۔ لیکن انھوں نے بہت بھونڈا منصوبہ بنایا تھا۔ وہ دو خاوروں کا منصوبہ نہ بناتے تو ان کے منصوبے کو بھونڈا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن پکڑے وہ پھر بھی جاتے کیونکہ بچے کو یتیم خانے میں داخل کرنے کی غلطی

وہ کر چکے تھے۔ تنویر خان کے کانوں میں اس منصوبے کی بھنک نہ جانے کس طرح پڑ گئی تھی۔ لہٰذا اس نے ان پر نظر رکھی۔ اور جب انھوں نے بچے کو یتیم خانے میں داخل کرایا تو یہ فوراً وہاں سے اس بچے کو لے آیا۔ یتیم خانے سے بچہ لانا ذرا بھی مشکل کام نہیں ہے۔ کچھ رقم یتیم خانے کو دے کر پسندیدہ بچے کو لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بچے کی پرورش شروع کر دی۔ نام شاکر جلالی رکھ دیا۔ اور غریب بن کر حالات بھی کرنل صاحب سے معلوم کرتا رہا۔ لیکن اصل کام اس نے اور ہی کیا کہ بچے کی برین واشنگ شروع کر دی۔"

"جی۔ کیا کہا۔"

"ہاں! اس نے پہلے دن سے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانا شروع کر دی تھی کہ وہ اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ جب یہ بات اس کے ذہن میں اچھی طرح بٹھا دی تو اس نے بہت بڑی دولت حاصل کرنے کا شوق اس کے ذہن میں پیدا کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اصل منصوبہ بتانا شروع کیا۔ گھٹنے کے نشان کے بارے میں اسے بتایا کہ اس نے یہ نشان خود لگایا ہے۔ کیونکہ اصل بچے کے گھٹنے پر نشان تھا۔ مطلب یہ کہ اب اصل

خاور بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اصلی نہیں ہے اور صرف کرنل صاحب کی دولت ہڑپ کرنے کے لیے اس گھر میں داخل ہوا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ ایک ساتھ چلائے۔

ہارٹر لائبریری

●

"ہاں، اب کرنل ایسے جال میں آ گئے ہیں کہ میں خود حیرت زدہ ہوں۔ کروں تو کیا۔ ذرا سوچو۔ وہ نوجوان کرنل کا بیٹا ہی ہے۔ لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ کرنل کا بیٹا نہیں ہے۔ تنویر خان کا بیٹا ہے۔ اور یہ بات میں کرنل کو بھی کس طرح بتاؤں۔ ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ کہ ان کا اپنا بیٹا اب ان کا نہیں رہا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر کیا کیا جائے؟"

"کرنا تو کچھ نہ کچھ پڑے گا۔ ورنہ تنویر خان ساری دولت ہڑپ کر جائے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"آپ ہمیں اجازت دیں۔ ہم تنویر خان کی حقیقت کرنل صاحب کو دکھا دیں گے۔ وہ اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں سے سب کچھ دیکھ اور سن لیں گے۔"

"ہاں! یہ کام تم زیادہ بہتر طور پر کر سکو گے۔ تمہیں پوری اجازت ہے۔ اس سلسلے میں جو بھی کر سکو، کر گزرو۔ لیکن ان کا بیٹا ان کا ہو جائے۔"

"ان شاء اللہ۔ ایسا ہی ہو گا۔"

اسی روز رات کے وقت وہ کرنل صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ کرنل صاحب نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ خاور اور تنویر خان بھی وہاں تھے۔ ان کے گھر کے باقی افراد بھی وہاں آ چکے تھے اور انہیں کوٹھی کا نصف حصہ دے دیا گیا تھا۔

"کیسے آنا ہوا؟" کرنل بولے۔

"آپ کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے آ گئے ہیں۔ ہم بھی رات کو یہیں رہیں گے۔"

"بہت خوب!"

"یہ جان کر خوشی ہوئی۔" کرنل صاحب نے کہا۔

رات کے کھانے کے بعد تینوں خاور کو ساتھ لے کر ان کی طرف نکل آئے۔

"ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"ضرور کریں۔"

"لیکن ہماری باتیں شاید آپ کو پسند نہیں آئیں گی۔"

"جی کیا مطلب؟"

"ہم آپ کو ایک حقیقت بتانا چاہتے ہیں اور اپنی بات کو ثابت بھی کریں گے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"صرف اور صرف یہ کہ آپ نقلی نہیں۔ بالکل اصلی خاور جاودانی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تنویر خان نے آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھائی ہے کہ آپ دراصل اس کے بیٹے ہیں اور آپ کے شانے پر مصنوعی نشان بنوایا گیا ہے۔ اور یہ کہ آپ کو خاور کے روپ میں اس ساری دولت پر قبضہ کرنا ہے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں اصلی خاور ہوں۔" وہ بولا۔

"اب آپ کو ظاہر یہی کرنے کی ہدایت ہے۔ لیکن آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ آپ اصلی خاور نہیں ہیں۔ اسے تو ہلاک کر دیا گیا تھا اور چونکہ ایک مدت تک یہ بات آپ کے ذہن میں بٹھائی گئی ہے۔ لہٰذا اب آپ اصل حقیقت کو بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی کرنل صاحب کے اصلی بیٹے ہیں۔ آپ ہرگز ہرگز نقلی نہیں ہیں اور اس بات کا ثبوت ہم آپ کو دے سکتے ہیں۔"

"ثبوت۔ کیسا ثبوت؟"

"بس، آپ ثبوت کی خواہش کا اظہار کریں۔ آگے کام ہمارا ہو گا۔"

"اگرچہ آپ کی باتوں پر مجھے ایک فی صد بھی یقین نہیں آیا۔ پھر بھی میں آپ کے ثبوت کو ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"

"شکریہ! آج رات ہم ثبوت آپ کو دکھا دیں گے۔"

اب وہ تنویر خان کے [illegible] آئے:

"کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ آپ کی چال سے کوئی واقف نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ہم جانتے ہیں۔ خاور واقعی کرنل صاحب کا بیٹا ہے۔"

"تو میں نے کب کہا کہ ایسا نہیں ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"بے شک آپ نے کرنل صاحب سے یا کسی اور سے ایسا نہیں کہا۔ لیکن آپ نے خاور کے ذہن میں یہ بات

ضرور بٹھائی ہے — کہ وہ کرنل کا نہیں — صرف اور صرف آپ کا بیٹا ہے — لیکن اس گھر میں اسے کرنل کا بیٹا بن کر رہنا ہے اور اس پر کوئی شک نہیں کر سکے گا، لہٰذا اس ساری دولت پر قبضہ جمانا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ثابت ہوگا — ہم یہ منصوبہ بھانپ چکے ہیں۔" محمود نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"نن — نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اگر آپ کہتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے — تو ہم بات ثابت کر سکتے ہیں — ثابت کرنا ہمارے لیے ذرا سی مشکل نہیں ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو آپ کی سمجھ میں اس وقت آئے گا جب ہم یہ ثابت کر دیں گے۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہمارے والد نے یہ تمام معاملہ ہمیں سونپ دیا ہے، ہم جو کریں گے — انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہم بھی اپنا حصہ وصول کرنا پسند کریں گے — اپنے خاموش رہنے کی قیمت وصول کریں گے آپ سے — اگر آپ انکار

کرتے ہیں تو ہم ابھی اور اسی وقت معاملہ پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"ہا ہا ہا — اس سے کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"کیوں — ہوگا کیوں نہیں۔"

"اس لیے نہیں ہوگا کہ شاکر جنگی خاور ہی اصلی خاور ہے — مگر میں نے اس کی زبانی ثابت کر دی ہے — وہ خاور ہوتے ہوئے بھی میرا بیٹا ہے — کرنل کا نہیں، کرنل کو تو وہ اس ساری دولت سے محروم کرنے کا کام کرے گا — یہاں آنے کے بعد۔"

"تمہارا منصوبہ واقعی بہت خوف ناک ہے — ہم داد دیتے ہیں — لیکن اگر یہ باتیں ہم خاور کو بتا دیں تو؟"

"وہ کبھی اعتبار نہیں کرے گا — میری باتوں کے مقابلے میں وہ تمہاری باتوں پر کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔" تنویر خان نے کہا۔

"ہم اگر اسے یقین دلا دیں کہ یہ باتیں تم نے کی ہیں — تو؟"

"تب بھی وہ یقین نہیں کرے گا۔"

"اور اگر وہ اس دروازے سے لگا یہ باتیں سن رہا ہو؟" محمود بولا۔

یہ نہیں ہے۔ اگر دروازے سے لگا کوئی میری باتیں
سُن رہا ہوتا تو اس کا مجھے علم ہو جاتا۔ میں نے اس
قسم کا انتظام کر رکھا ہے۔"
"خیر۔ ہم اسے یہ باتیں بتائیں گے ضرور۔"
"ضرور کوشش کرو۔" اس نے ہنس کر کہا۔
"شکریہ۔"
اب وہ پھر محمود کے پاس آئے۔ اسے ہونے والی
گفت گو بتائی:
"بھلا میں آپ لوگوں کے بیان پر کس طرح اعتبار کروں۔"
"ہم آپ کو اس کی آواز میں ساری گفت گو سنا سکتے ہیں،
ہم ریکارڈ کر لائے ہیں۔"
"اوہو اچھا۔"
"ہاں! یہ لیں۔ سن لیں۔"
اس نے ساری گفت گو سنی، پھر بولا:
"ٹھیک ہے۔ تو یہ چکر تھا اصل۔"
"ہاں! اگر آپ چاہیں تو ہم ابھی چل کر آپ کو
ثبوت کی باقاعدہ دکھا دیں۔ چلیں تو ہم دکھا آتے ہیں۔" فاروق
نے مسکرا کر کہا
"چلیے پھر۔"

وہ اُسے ساتھ لے کر نور دان کے کمرے میں آئے۔
وہ انھیں دیکھ کر چونک اٹھا۔
"اب کیا ہے؟"
"ہم نے انھیں ساری گفت گو سنا دی ہے۔ آپ تو
کہتے تھے کہ یہ ہماری باتوں پر اعتبار نہیں کریں گے۔
لیکن انھوں نے تو اعتبار کر لیا ہے۔"
"نن۔ نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ محمود۔ تم نے ان
کی باتوں پر اعتبار کر لیا؟"
"ان کی نہیں۔ آپ کی باتوں پر۔"
"لیکن میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔"
"آپ بھی اپنے کانوں سے سن لیں۔" یہ کہہ کر محمود نے
ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔
گفت گو جب ٹیپ ریکارڈر پر دہرائی جانے لگی۔
تو اس کے ہوش اڑتے چلے گئے۔ آخر ٹیپ بند ہو گئی۔
"اب آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا ہم آپ کو قانون کے حوالے
کر دیں۔ یا پھر..."
"یا پھر کیا؟"
"آپ کے لیے ایک اور راستا بھی ہے۔"
"اور وہ کیا؟"

"ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں — اپنے گھر والوں کو لے کر — اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کیجیے گا — کرنل صاحب سے ہم خود بات کر لیں گے۔"

اس کا سر جھک گیا — آخر اس نے کہا:

"آپ لوگ جیت گئے — میں ہار گیا — جب کہ میرا خیال تھا — میں یہ گیم ہرگز نہیں ہاروں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا — تھوڑی دیر بعد وہ اس طرح اس گھر سے رخصت ہو رہے تھے، جیسے چور کسی گھر سے جاتے ہوں — اور انھوں نے بھی فیصلہ کیا تھا — اس بات کا علم کرنل صاحب کو نہیں ہونے دیں گے —

لکی نمبرز

پر ۲۰۰۰ روپے کے نقد انعامات

- اِس ماہ شائع ہونے والے ناول "گرما گرم قدم" [illegible] "کہانی کے مجرم" "خوف کی بستی" اور "ڈراے کی [illegible]" کے سرورق کی بیک پر لکی نمبر درج ہے —
- آیندہ ماہ شائع ہونے والے ہر ناول پر بھی لکی نمبر درج ہو گا —
- آپ اپنا ناول خرید کر اپنے پاس محفوظ رکھیں — ہو سکتا ہے لکی نمبر آپ کا ہی نکل آئے —
- ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے ہر ناول کے لکی نمبر کا اعلان کیا جائے گا اور ہر ناول کے لکی نمبر پر آپ کو ۵۰۰ روپے کا نقد انعام ملا کرے گا —
- اِس ماہ کے ناولوں کے لکی نمبرز کا اعلان آیندہ ماہ کے ناولوں میں کیا جائے گا — آیندہ ماہ کے ناولوں کے حصول کے لیے اپنا آرڈر قریبی بک سٹال پر نوٹ کروائیں یا پھر ادارے کو خط لکھیں — شکریہ!

فائدے کی بات

- آئندہ ماہ آپ ان شاء اللہ "زندہ قبرستان" (۱۰ روپے)، "قبرستان کی موت" (۱۰ روپے)، "دار پر دار" (۱۰ روپے)، "دنیا کا قتل" (۱۰ روپے)، "اژدہے کا بیگ" (۵۰/۱۰ روپے) اور "حاشا کا زلزلہ" (۲۰ روپے) پڑھیں گے۔
- ان تمام ناولوں کی کل قیمت ۵۰/۸۰ روپے بنتی ہے، لیکن ادارے سے منگوانے پر آپ کو یہ تمام ناول صرف ۰۰/۷۲ روپے میں ملیں گے۔
- اگر آپ انسپکٹر جمشید سیریز کے نئے چار ناول منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۴۰ روپے کی بجائے ۳۱ روپے وصول کرے گا۔
- ناول بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔ اس طرح آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ نئے چار ناولوں پر ۴ روپے اور مکمل سیٹ پر ۵۰/۱۰ روپے کی بچت ہوگی۔
- ہے نا فائدے کی بات۔ خط لکھ کر آرڈر نوٹ کروائیں۔ شکریہ۔

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۲۰ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور

— ہر سیریز پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۳۹

— پہلا حصہ —

زندہ قبرستان

مصنف اشتیاق احمد

- محمود، فاروق اور فرزانہ کو ایک خط ملا۔
- مسلم ہال میں ٹائم بم رکھ دیا گیا تھا اور وہاں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔
- وہاں انسپکٹر جمشید بھی موجود تھے۔
- مسلم ہال میں بم کہاں تھا؟ یہ سوال ان کے لیے حد درجے خوف ناک تھا۔
- بم پھٹنے میں بہت تھوڑا وقت تھا۔
- انسپکٹر جمشید نے کانفرنس روکنے سے انکار کر دیا۔
- ۲۰۔ اکتوبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

— کی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۴۹

— دوسرا حصہ —

قبرستان کی موت

مصنف: اشتیاق احمد

○ محمود، فاروق اور فرزانہ ایک تہ خانے میں بے ہوش پڑے پائے گئے۔
○ ان کی بے ہوشی کا راز کیا تھا؟
○ انھوں نے سازش کا کھوج کیسے لگایا؟
○ سازش کیا تھی؟
○ مجرم کون تھا؟
○ درحقیقت انسپکٹر جمشید کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا۔
○ بیگم جمشید کو آپ عجیب روپ میں دیکھیں گے۔
○ زبردست جوڑ توڑ والا ناول۔
○ ۲۰ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت: دس روپے۔

— کی نمبر پر ۵۰۰ روپے کا نقد انعام —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۵۵۰

وار پر وار

مصنف: اشتیاق احمد

○ ایک خوف ناک مجرم سے بچیے۔
○ وہ شہر میں کیا کر رہا تھا۔
○ ایک آدمی سڑک پر گرا پڑا تھا۔
○ مجرم ہر حال میں اس زخمی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔
○ پھر وار پر وار شروع ہو گئے۔
○ لیکن ان واروں کا مقصد کیا تھا؟
○ انسپکٹر جمشید پارٹی اس زخمی کو بچانے پر تل گئی۔
○ سنسنی خیز مہمات آپ کو پکڑ کر رکھ دیں گے۔
○ ۲۰ اکتوبر کو پڑھیے — قیمت دس روپے۔
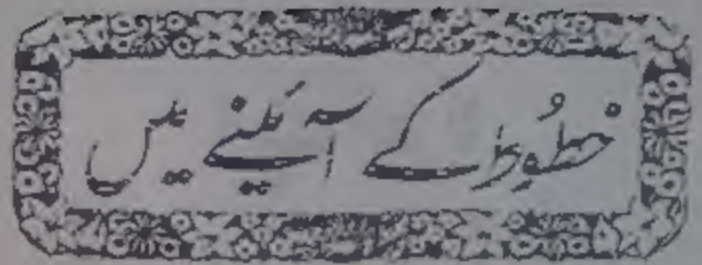
محترم و مکرم حضرت حاجی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! مزاج گرامی بخیر — گرامی نامہ ملا۔ ملکی حالات بہت ہی سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں ۔ نگران وزیرِ اعظم کی بیٹی جس غیر مسلم سے بیاہی ہوئی ہے ، وہ غیر مسلم یہودی یا عیسائی نہیں ، بلکہ قادیانی ہے ۔ نگران وزیرِ اعظم کی کابینہ بے دین قادیانی نوازوں پر مشتمل ہے ۔ بس دعا فرمائیں ، اللہ کریم اپنا فضل فرمائیں اور جماعت کو اپنی ذمے داری پوری کرنے کی ہمت ، استطاعت اور توفیق عطا فرمائیں ۔ موجودہ حالات پر کتابچہ زیرِ ترتیب ہے ، چند روز تک ان شاء اللہ طبع ہو جائے گا ۔

والسلام :

عزیز الرحمٰن ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ، حضوری باغ روڈ ، ملتان

○

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم ! اس دفعہ ناول ۴ ۔ اگست کو ملے ۔ ناول نمبر ۵۲۳ تا ۵۲۶ کی دو باتیں متاثر کن تھیں ، لیکن سب سے زیادہ

متاثر کن دو باتیں غبار کی تھیں ۔

سب سے پہلے تو غبار نے عیاری کی ۔ ناول دلچسپ تھا ۔ انسپکٹر جمشید کا مجرم کے خلاف آخری حربہ اچھا لگا ۔

اگلے ناول " خونیں ڈراما " سے اٹھ صاف ہے ۔ یہ ناول بھی اپنی سنسنی خیزی اور دلچسپی سے بھرپور تھا ۔ آدھے میاں کا خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا ، بعد میں اسی کا باس کے روپ میں دوبارہ آنا کافی اچھا لگا ۔ ناول کا پلاٹ اور کہانی پر آپ کی گرفت اچھی لگی ۔

" فراڈ " واقعی فراڈ ہی ثابت ہوا ۔ ناول کا آغاز نہایت دلچسپ طریقے سے ہوا ۔ پوری کہانی محمود ، فاروق اور فرزانہ کے گرد ہی گھومتی رہی اور انھوں نے ہی اسے حل کیا ۔ دو عدد راشد علی کا سامنے آنا اور پھر ان کو گرفتار کرنا ، خان آف سونا گڑھ کا خود ہی مجرم ثابت ہونا کافی اچھا لگا ۔ آخر میں ایسا لگا کہ کہانی کو جلد ختم کر دیا گیا ۔

اس ماہ کے آخری ناول " شاہ زادے کا اغوا " کی کہانی جس طرح تیز رفتاری سے شروع ہوئی ، اسی طرح آگے بڑھتی گئی ۔ اتنا تیز ٹیمپو دیکھ کر اور پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اشتیاق احمد دوبارہ اپنی پرانی فارم میں آگئے ہیں ۔

انکل ! " شاہزادے کا اغوا " میں ایک قاری نے بہت

اچھی تجویز پیش کی ہے کہ موت کا کوئی پتا نہیں، کب آ جائے۔ آپ بھی ایک ایسا ناول لکھ چھوڑیں، جس میں تمام کردار مر جاتے ہوں۔ یہ ناول آپ کی زندگی کے بعد شائع ہو، تاکہ آپ کے بعد آپ کے کرداروں پر کوئی ناول نہ لکھے۔ میں اس تجویز کی بھرپور حمایت کرتا ہوں۔

عبدالمنان خرم بٹ، الریاض، السعودیہ

○

محترم انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! اس بار ناول کافی دیر سے کراچی پہنچے۔ عاشورہ سے پہلے بُک سٹال کا چکر لگایا تھا، یعنی ۲۷ جون کو، مگر ناکامی ہوئی۔ پھر ۵ جولائی کو چکر لگایا تو پتا چلا کہ ناول آج ہی پہنچے ہیں۔ اس دفعہ بھی عاشورے کے موقعے پر کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ گو کہ کراچی میں حالات پُرسکون رہے، مگر ملک میں کئی جگہوں پر افسوس ناک واقعات ہوئے۔ سیاستدانوں کو اقتدار کی جنگ سے فرصت نہیں ہے۔ اخبارات سیاستدانوں کے بیانات اور قتل و غارت گری کی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ مُلک کی سیاسی صورت حال کس قدر خراب ہے، مگر احساس کسی کو نہیں۔ آج کل بعض مفاد پرست کراچی کے عوام کو ورغلا رہے ہیں اور اس قسم کے جملے اخبارات میں پڑھنے کو

عام مل رہے ہیں کہ کراچی سے سوتیلی اولاد جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بعض سیاستدان تو سندھ کو بقیہ مُلک سے علیحدہ کرانے کا ڈھکے چھپے اور کھلے لفظوں میں مطالبہ کر رہے ہیں۔ ایسی باتیں پڑھ کر ذہن چکرا جاتا ہے۔ کیا پاکستان اسی لیے قائم ہوا تھا؟ بعض اوقات تو خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی طاقت پھر سے ہمیں غلام نہ بنا لے، ہم پھر سے محکوم نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ہم اب حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ ڈر ہے کہ ہم کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ شاید تبھی ہمیں آزادی کی قدر ہو گی۔

انکل! پتا نہیں، ہم عقل رکھنے کے باوجود بے عقل کیوں ہیں؟ اپنا اچھا بُرا سمجھنے کے باوجود اپنے لیے بُرا منتخب کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمارے مُلک کے حالات و معاملات کو درست کرے۔

تسنیم زہرہ خان، ایس ایم سی ایچ ایس، کراچی

○

محترم انکل

السلام علیکم! تیسواں خاص نمبر برف کے آس پاس لکھنے پر میری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ بہت عرصے بعد خاص نمبر میں واقعی خاص بات نظر آئی ہے، ورنہ ہم تو سمجھے تھے کہ گہری چٹان ہی آپ کا آخری شاہکار خاص نمبر ہے۔ اس خاص نمبر

نے "وادیٔ دہشت" اور "جزیرے کا سمندر" کی یاد تازہ کر دی ہ[illegible]
ضخامت کا سفر مبارک ہو۔ اُمید ہے کہ یہ سفر رُکے گا نہیں۔ [illegible]
ہی اچھا ہو کہ خاص نمبر ہر چھے ماہ کی بجائے ہر چار ماہ شائع
ہوا کرے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب ہر ماہ پہلے کی طرح چار
ناول شائع ہوا کریں گے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

زاہد میر، ۲۰/۲۹ ڈیوس روڈ، لاہور

○

ڈیر انکل اشتیاق احمد
السلام علیکم! مجھے آپ کی آپ بیتی "میری کہانی" پڑھنے کا
اتفاق ہوا۔ پڑھ کر پتا چلا کہ آپ نے مُلک کے بہترین
مصنف بننے کے لیے بہت پاپڑ بیلے۔ فیروز سنز لمیٹڈ کا ہر
پندرہ دن بعد چکر لگایا۔ "جگنو" کے ایڈیٹر سے اشتیاق پبلی کیشنز
کھولنے تک آپ نے جتنی محنت کی، وہ آپ کی ہمت کا من[illegible]
بولتا ثبوت ہے۔ "بڑا قد" کہانی سے لے کر "جیرال کا منصوبہ"،
"ملاشا کا زلزلہ"، "جمیل کی موت"، "جزیرے کا سمندر"،
"ژانا نے مہم"، "سنہری چٹان" اور "برف کے اس پار" تک ناول[illegible]
کا ایک عظیم اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے اور آپ
اب تک بے شمار کہانیاں، لاتعداد کتابیں اور ساڑھے پانچ س[illegible]

سے زیادہ ناول لکھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت
دے اور آپ کے حوصلے بلند رکھے۔ آمین!
محمد کاشف صدیق معرفت چودھری محمد اقبال، آئرن مرچنٹ،
ٹیڈ بازار، شورکوٹ کینٹ، جھنگ

○

ڈیر انکل اشتیاق احمد
السلام علیکم: ماہ اگست کی کتب کا پیکٹ ۳۰ جولائی کو
ملا۔ "فراڈ" ایک بالکل منفرد ناول تھا، جب کہ "شاہزادے کا
اغوا" ایک روایتی ناول تھا۔ "خونیں ڈراما" اور "عیار" بھی معیاری
ناول تھے۔ "خزانہ ملتا ہے" کوئی خاص متاثر نہ کر سکا، جب کہ
"قانونی سازش" ظاہر ایس ملک کی اچھی کاوش تھی۔ "خونیں ڈراما"
میں باس (آدھے میاں) کی چکر پھیریاں خوب تھیں، اگر انگلیوں
کے نشانات نہ ملتے تو نکل گیا تھا۔ "عیار" کا سرورق عجیب
سا تھا، سارس کو سوٹ پہنا دیا، جس کی وجہ سے وہ
عجیب بلکہ عجیب و غریب لگ رہا تھا، جب کہ "خونیں ڈراما"
کا سرورق بہت پسند آیا۔ آپ نے انسپکٹر جمشید کی ٹانگ پکڑ
لی۔ کم از کم ایک ناول کامران مرزا یا شوکی سیریز کا ہر ماہ ضرور
ہونا چاہیے، تاکہ یکسانیت ختم ہو۔
ملک محمد حسن، حاجی شمس الدین کریانہ مرچنٹ، محلہ منوآباد، نواب شاہ

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
۵۴۳ مجرمانہ قدم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۴ کھائی کے مجرم انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۵ خوف کی بستی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۶ ڈرامے کی آگ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۷ چوری کی لڑکی نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۴۶ خفیہ تحریر انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۴۷ نقاب کے پیچھے انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۴۸ ہوا کے قیدی انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۳۰ آخری پیکٹ انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
آئندہ ماہ کے ناول
۵۴۸ زندہ قبرستان انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۴۹ قبرستان کی موت انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۰ وار پر وار انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۱ راڈیا کا حل انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰ روپے
۵۵۲ اژدہے کا بیک نئی نسل نیا ادب ۷/۵۰
۳۲ ملاشا کا زلزلہ دوسرا خاص نمبر ۳۰ روپے
لکی نمبر 3337
اشتیاق پبلی کیشنز
۱۲/۹ نصیر آباد — مسلم پورہ — ساندہ کلاں، لاہور۔ فون: ۳۲۱۵۳۷
برانچ آفس بازار لوہاراں — جھنگ صدر۔ فون: ۳۲۹۵